اسلام اور جدید بینکاری

مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں

تصنیف

حضرت علامہ مولانا مفتی نظام الدین رضوی مدظلہ العالی

(مدرس و مفتی دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اعظم گڑھ)

جامع مسجد بہارِ شریعت بہادر آباد کراچی۔
Ph : 021-34219324

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

نام کتاب: اسلام اور جدید بینکاری

مصنف: مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ العالی

عدد صفحات: 112

سائز: 23x36/16

تعداد: 1100

طباعت اول: 1422ھ / 2001ء

(مکتبہ برہان ملت، اشرفیہ، مبارکپور)

طباعت دوم: 1427ھ / 2006ء

طباعت سوم: 1431ھ / 2010

ناشر

مکتبہ برکات المدینہ

جامع مسجد بہار شریعت، بہادر آباد، کراچی

فون: 021-34219324

barkatulmadina@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئینۂ کتاب

مضامین	صفحات

مضامین	صفحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز سخن

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً وّ مصلّیاً وّ مسلّماً۔

یہ رسالہ ۵/تا ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۲ء کی درمیانی مدت میں راقم الحروف نے مرتب کیا تھا، پھر عزیز ملت حضرت مولانا الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ مدّظلہ' العالی جانشین حضور حافظ ملّت عَلَیہ الرَّحمة وَالرضوَان سرپرست مجلس شرعی، و سربراہِ اعلیٰ جَامعَہ اشرفیہ مبَارکپور کی اجازت سے بہت سے علمائے کرام کی خدمتوں میں اصلاح اور تصدیق کی غرض سے ارسال کیا گیا، عام طور سے تمام علمائے کرام نے اس کے مضامین سے اتفاق رائے کیا اور خاص طور سے دو بزرگوں نے اس پر اپنی تصدیق بھی لکھی، جو یہ ہیں:

(۱) استاذ مکرم، حضرت العلام، مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ[1] العَالی شارح بخاری، نائب مفتیٔ اعظم ہند، سرپرست مجلس شرعی و صدر شعبۂ افتاء و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

(۲) صاحب تصانیفِ کثیرہ، فقیہ ملّت حضرت العلام مولانا مفتی جَلال الدین اَحمد امجدی، مفتی فیض الرسول[2]، براؤں شریف۔

---

[1] ۶/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ بروز جمعرات کو بعد فجر حضرت کا وصال ہو گیا رَحِمَہُ اللّٰہ تعالیٰ رحمة واسعة ۱۲ منہ

[2] اب حضرت مرکز تربیت افتاء اوجھا گنج ضلع بستی کے زیر اہتمام علماء کی فقہی ٹریننگ میں مصروف رہتے ہیں جو وقت کی ایک اہم و اشد ضرورت کی تکمیل ہے ۱۲ منہ

میری تحریر کی حیثیت ہی کیا، مگر یہ ان بزرگوں کی ذرہ نوازی ہے کہ اس پر تصدیق لکھ کر اسے باوقعت بنا دیا۔

ہم اس ذرہ نوازی کے لئے دونوں بزرگوں کے صمیم قلب سے مشکور ہیں۔

اس رسَالہ کی تنقیح میں استاذی الکریم محدث کبیر حضرت علامہ ضیاءُ المصطفےٰ صاحب قبلہ قادری دام ظلہ العَالی صدر مجلس شرعی، وصدر المدرسین و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی خداداد ذہانت و دقیقہ سنجی کا بڑا دخل ہے۔

''بیمۂ زندگی'' کا حکم بیان کرتے ہوئے میں نے لکھا ہے: ''زندگی بیمہ کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بیمہ کرانے والے کو اپنی آمدنی نیز موجودہ مال و متاع کے پیش نظر ظن غالب ہو کہ وہ ابتدائی تین سال کی قسطیں ادا کر لے گا''

(میں ایک عرصہ سے اسی شرط کے ساتھ بیمۂ زندگی کے جواز کا فتویٰ لکھتا رہا ہوں)

اس پر حضرت محدث کبیر نے یہ تنقیحی سوال قائم کیا۔

(۱) ظن غالب ملحق بالیقین ہوتا ہے تو کیا مال کے معاملے میں بھی ظنِ غالب کا اعتبار ہوگا جبکہ مال کے آتے جاتے دیر نہیں لگتی۔؟

میں نے دوسرے روز بیع سلم کے کچھ جزئیات پیش کئے جن سے مال کے باب میں ظن غالب کا معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے اور وہ کتاب میں تفصیل کے ساتھ منقول ہیں، ان جزئیات کو ملاحظہ فرما کر حضرت کچھ مسرور ہوئے لیکن ساتھ ہی ان سے استدلال پر یہ زبردست اشکالات بھی قائم فرمائے۔

(۲) بیع سلم میں ظن غالب کا اعتبار اس لئے ہے کہ اگر مُسلَم فیہ کے فقدان کی صورت میں بیع سلم فاسد ہو گئی تو مشتری کو اس کا پورا دام واپس مل جائے گا لیکن بیمۂ زندگی میں اگر تین سال کی قسطیں ادا نہ ہو سکیں تو بیمہ دار کو ایک پیسہ بھی واپس نہ

ملے گا۔

(۳) علاوہ ازیں بیع سَلَم خلاف قیاس مشروع ہے اس لئے اس کے جزئیات پر مسئلۂ بیمہ کا قیاس درست نہ ہوگا۔

اس بے بضاعت نے غور وفکر کے بعد ان اشکالات کے بھی حل پیش کئے جیسا کہ کتاب میں ان کی تفصیل مذکور ہے مگر حضرت موصوف پھر بھی اس سے متفق نہ ہوئے اور اس کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوتی رہی یہاں تک کہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے پہلے فقہی سیمینار (منعقدہ ۱۸؍تا۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۳ء) میں اس موضوع پر علمائے کرام کی جاندار بحثوں کے بعد خود آپ نے ہی شرط مذکور کے ساتھ بیمۂ زندگی کے جواز کی تجویز پیش فرمائی اور بلا انکار نکیر سارے ہی علماء نے اس سے اتفاق کیا۔

اس کے بعد یہ مسئلہ زیر غور ہوگیا کہ انکم ٹیکس کی مضرت سے بچنے کیلئے بینک سے قرض لینا جائز ہے یا نہیں۔ راقم کا نظریہ جواز کا تھا اور اسی کو قدرے تفصیل کے ساتھ رسالہ میں بیان کیا گیا ہے مگر حضرت کو اس کے جواز میں توقف تھا، اس کے باعث ایک بار پھر رسالہ کی اشاعت ملتوی کرنی پڑی، یہاں تک کہ اوائل شعبانُ المعظم ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۷؍جنوری ۱۹۹۴ء روز دوشنبہ کو بنارس میں مجلس شرعی کے فیصل بورڈ کے اہم اجلاس میں تعبیر کے فرق کے ساتھ اس کے جواز کا بھی فیصلہ ہوگیا جس سے اس بے بضاعت کو تقویت ملی، فیصلہ یہ ہے:

"بینک کا قرض جس پر کچھ زائد رقم دینی پڑتی ہے وہ زائد رقم انکم ٹیکس سے وضع ہوجائے یا بینک سے قرض بشرط مال فاضل لینے میں انکم ٹیکس سے کم از کم مال فاضل کے برابر یا اس سے زائد کی بچت ہو تو بینک سے قرض لینا

مباح ہے"

میں ان تنقیحات اور دوسری اصلاحات کے لئے حضرت کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، ساتھ ہی ان تمام علمائے کرام کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اس رسالہ کے مطالعہ میں صرف فرما کر اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔

فَجَزاھُمُ اللّٰہ تَعَالیٰ کلّھم خیرالجزاءِ

اس طرح میں اس رسالہ کی تالیف کے ایک سال سات ماہ بعد اسے اسلامی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، خدا کرے یہ "دیر آید، درست آید" کا مظہر ہو۔ ومَا توفیقی اِلّا باللّٰہ۔

محمد نظام الدین رضوی
۷؍۱۲؍۱۴۱۴ھ
۱۹؍۵؍۱۹۹۴ء
(جمعرات)

ترتیب جدید | یہ اس کتاب کا پانچواں اڈیشن ہے جو نئی ترتیب کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے اس میں کئی ایک اہم اضافے یہ ہیں:

(۱) اکثر ضروری اور عامتہ الورود مسائل میں چاروں مذاہب فقہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے مطابق بیان احکام تاکہ ہر مذہب کے مسلمان اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

(۲) بینکوں اور ڈاکخانوں کی سرمایہ اندوزی اور عوام کیلئے قرض کی فراہمی کے بیان میں بہت سی اسکیموں اور کھاتوں کا اضافہ۔

(۳) چھوٹ والے قرضوں میں اجازت کی بحث۔

(۴) کریڈٹ کارڈ/اعتمادی کارڈ کا مسئلہ۔

(۵)مسلم مالیاتی اداروں کے احکام۔

(۶)شیر بینک کے اقسام واحکام۔

(۷)بینکوں، ڈاک خانوں اور بیمہ کارپوریشن میں جمع رقوم پر زکوٰۃ کے مسائل۔

(۸)اسلامی بینک کاری کی جائز اور آسان صورتیں۔

(۹) آغاز کتاب میں ''جائز اور ناجائز کھاتوں اور اسکیموں کا ایک اجمالی چارٹ'' جو اسلامی احکام سے دلچسپی رکھنے والے مصروف لوگوں کے لئے خصوصاً زیادہ مفید ہے۔

چونکہ عموماً بیانِ احکام میں ''مذاہب اربعہ'' کی رعایت کی گئی ہے اس لئے اب اس کا نیا نام'' جدید بینک کاری۔ مذاہب اربعہ کی روشنی میں'' رکھا گیا گو کہ پہلا نام بھی جامع ہے۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام اس بندۂ عاصی کو دعاؤں سے ضرور نوازیں گے اور اہل علم کی نگاہ میں اگر کوئی خامی کہیں نظر آئے تو اس کی مناسب اصلاح سے ہمیں آگاہ فرما کر مشکور فرمائیں گے خدائے پاک اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں یہ سعی مشکور فرمائے۔ آمین

محمد نظام الدین رضوی

۲۳ر شوال المکرم ۱۴۲۱ھ [۱۹ر جنوری ۲۰۰۱ء]

(جمعہ مبارکہ)

تصدیقِ جلیل

نائب مفتیٔ اعظم ہند وشارح بخاری حضرت العلام مولانا، مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ صدر شعبۂ افتاء وسرپرست مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ألحمد لله رب العالمين والصّلوٰة و السلام على رحمة للعٰلمين وعلىٰ آله وصحبه الطيبين الطاهرين و على الأئمّة المجتهدين وعلى من تبعهم، و تبع تابعيهم باحسانٍ الى يوم الدين۔

اس وقت میرے پیش نظر ایک بہت ہی اہم رسالہ'' جدید بینک کاری اور اسلام'' ہے۔ یہ عزیز گرامی وقار جناب مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زیدَ مجدھم نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے رشحات قلم کا مرہون منت ہے۔

مدت دراز سے عوام کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا رہتا ہے کہ بینکوں میں روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جائز ہے تو بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم بنام سود ملتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں میرے ابتدائی دور سے لے کر اب تک خود میرے پاس ہزاروں سوالات آچکے ہیں جن کے مجمل ومفصل جوابات بھی دئے گئے ہیں۔ آج سے تقریباً تیس سال پہلے میرا ایک فتویٰ قدرے مفصل ماہنامہ'' پاسبان'' الٰہ آباد میں چھپ چکا ہے پھر چند سال پہلے جامعہ اشرفیہ

کے ترجمان ماہنامہ اشرفیہ میں بھی چھپا ہے، مگر چونکہ ان رسائل کو سب مسلمان نہیں پڑھتے اس لئے اس سلسلے میں سوالات کی رفتار اب بھی وہی ہے۔

اس خصوص میں چونکہ دیوبندی جماعت دُہرا کردار ادا کر رہی ہے اس لئے قدرے خلفشار بھی رہتا ہے۔ دیوبندی جماعت کے مفتی صاحبان تو فتویٰ یہ دیتے ہیں کہ حکومت اور غیر مسلموں کے بینکوں میں بھی روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہے اس کا لینا حرام ہے لیکن ان کے مذہبی اداروں، نیز ان کے عوام و خواص کے سرمائے بینکوں میں جمع ہیں اور اُن پر ملنے والی زائد رقم کو یہ لوگ لیتے بھی ہیں۔

یہ عجیب دینداری ہے فتویٰ کچھ، عمل کچھ۔

دوسری طرف بینکوں میں روپے جمع کرنا اس زمانے میں ضروری بھی ہے کہ گھروں میں روپے رکھنے پر چوری کا ظن غالب ہے، خداناترسی کی وجہ سے اب حال یہ ہوگیا ہے کہ بیویاں شوہروں کے روپئے اور شوہر بیویوں کے روپئے، اولاد ماں، باپ کے روپئے، بھائی بھائی کے روپئے چرانے کے قصے آئے دن سننے میں آتے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ باہر کے چور اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے، مال کے ساتھ جان کے بھی لالے پڑے رہتے ہیں ورنہ یہ بہت آسان تھا کہ لوگوں کو ہدایت کی جاتی کہ بینکوں میں روپے جمع نہ کریں بلکہ روپیوں کی چاندی اور سونا خرید کر گھر میں رکھ لیں جس میں عظیم منفعت بھی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے اور اس کے ہر پہلو پر ایسی واضح بحث کر دی جائے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ مفتی صاحب موصوف نے اپنی خداداد ذہنی وعلمی توانائیوں سے بھرپور کام لے کر اس مسئلے کو اتنا مجلّٰی اور منقح کر دیا ہے کہ

ایک دیندار منصف کے لئے اس میں کلام کی گنجائش نہیں رہ جاتی، مولیٰ عز وجل انھیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس سلسلے میں یہ نکتہ کتاب کے مطالعے سے پہلے ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سود حرام قطعی ہے۔ اس کے حلال ہونے کا قائل کافر، مرتد، اسلام سے خارج ہے۔ اس کا لینا بھی حرام، دینا بھی حرام، اس کا گواہ ہونا بھی حرام، اس کی دستاویز لکھنا بھی حرام۔

حدیث میں ہے لعن رَسُولُ اللّٰہِ صلے اللّٰہ علیہ وَسَلَّمَ اکل الربوا ومُوکلہ، و کاتبَہ، و شاھدیہ، وقال ھُم سواءٌ۔ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، اس کے کھلانے والے، اس کے گواہ اور کاتب پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں (مسلم، مشکوٰۃ ص ۲۴۴)۔ یہ اتنا سخت حرام ہے کہ قرآن میں فرمایا گیا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ

اگر سود لینا نہیں چھوڑتے تو یقین کرلو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا۔

لیکن کیا چیز سود ہے کیا نہیں؟ یہ عہد صحابہ ہی سے بہت پیچیدہ اور معرکۃ الآرار ہا ہے حتی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم قُبِضَ و لم یُفَسّرھالنا۔

رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور ہمارے لئے سود کی کامل تفسیر نہیں فرمائی۔ (رواہ ابن ماجہ والدّ ارمی، مشکوٰۃ ص ۲۴۶)

احادیث میں صرف چھ چیزوں کے بارے میں تصریح ہے کہ ان میں سود ہے سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، نمک، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں سود نہیں؟

اس کے جواب میں سارے فقہاء بالاتفاق یہ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور چیزوں میں بھی سود ہے۔ لیکن سود ہونے کی بنیاد کیا ہے اس بارے میں ائمۂ مجتہدین کے درمیان اختلاف رہا اور بہت معرکۃ الآرا ابحاث ہوئی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سود کی بنیاد ''قدر و جنس میں اشتراک'' ہے یعنی بدلین ایک جنس کے ہوں اور ساتھ ہی دونوں مکیل یا موزون ہوں، بناءً علیہ اختلاف جنس کی صورت میں سود نہیں، اسی طرح جو چیزیں مکیل و موزون نہیں ان میں بھی سود نہیں اگرچہ ایک ہی جنس کی ہوں مثلاً گن کے بکتی ہوں یا گز سے ناپ کر بکتی ہوں، جیسے انڈا اور کپڑا، ایک ہی جنس کا کپڑا ایک گز کے عوض دو گز لینا سود نہیں، ایک ہی پرند کا انڈا ایک کے عوض میں دو لینا سود نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علتِ ربا، طُعم اور ثمنیت ہے یعنی وہ سونا، چاندی ہو، یا از قسمِ غذا ہو، اب ان کے یہاں ایک انڈا کے عوض دو انڈے لینا سود ہوگا مگر ایک ہی جنس کے ایک گز کپڑے کے عوض دو گز کپڑے لینا سود نہ ہوگا۔

اس تفصیل سے میری غرض یہ ہے کہ سود کی حرمت قطعی ہوتے ہوئے بھی اس کے جزئیات کا تعین بہت مشکل کام ہے اور یہ کام نہ عوام کے بس کا ہے اور نہ غیر مسلم ماہرین معاشیات کا۔ اس لئے ہر وہ چیز جس کو غیر مسلم ماہرین معاشیات یا عوام سود کہیں یا سمجھیں اس کا سود ہونا ضروری نہیں۔ اس نکتے کو اچھی طرح ذہن میں رکھ کر پوری کتاب پڑھیں پھر آپ پر روشن ہو جائے گا کہ حکومت اور غیر مسلموں کے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ حرام ہے یا مباح وطیب۔

اس سلسلے میں عوام اہلسنت سے یہ خصوصی گذارش ہے کہ جس طرح

قادیانی ایک الگ مذہب ہے اور رافضی ایک الگ مذہب ہے اسی طرح دیوبندی و مودودی بھی اہلسنت و جماعت کے علاوہ ایک الگ مذہب ہے جس طرح قادیانی مولویوں یا رافضی مجتہدوں کا قول اہلسنت کے لئے سند نہیں اسی طرح دیوبندی مولویوں، مودودی مسٹروں کے وہ اقوال جو مسلک اہلسنت کے خلاف ہوں عوام کے لئے لائق توجہ نہیں۔

صاحب کتاب

اس کتاب کے مصنف جناب مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زید مجدہم کا مولد ضلع دیوریا کا ایک غیر معروف گاؤں بھوجولی پوکھر اٹولہ ہے۔ ۲ر مارچ ۱۹۵۷ء کو ایک بجے شب میں ان کی پیدائش ہوئی، مقامی و غیر مقامی مختلف مکاتب و مدارس میں تحصیل علم کرتے رہے مگر مولیٰ عزوجل نے ان کو کسی اور ہی کام کے لئے ازل ہی میں منتخب کر لیا تھا۔ اس لئے سعادتِ ازلی انھیں کھینچ کر اہلسنت کی سب سے عظیم اور سب سے زیادہ بافیض درسگاہ جامعہ اشرفیہ لائی یہاں انھوں نے شوال ۱۳۹۶ھ تا شعبان ۱۴۰۰ھ چار سال تک بہت محنت و جانفشانی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، گورنمنٹی کالجوں اور اسکولوں سے سیکھ کر دینی درسگاہوں کے طلبہ بھی ترقی پسند بننے کے شوق میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ مگر انھوں نے اپنے اوقات کی قدر کی، میں جب جامعہ اشرفیہ میں آیا تو یہ میرے متصل ہی کمرے میں رہتے تھے میں نے انھیں طالب علمی ہی کے زمانے سے دیکھا اور پرکھا۔

جب یہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں فارغ ہو گئے تو ان کے سر پر ہوشمندی کے درخشاں ستارے کو میرے علاوہ اُس وقت کے ارباب حل وعقد نے بھی دیکھا۔ میرے مبارکپور پہونچنے کے بعد دارالافتاء کا کام بہت آگے بڑھ گیا تھا، دارالافتاء

میں بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی میری درخواست پر ارباب حل وعقد نے انھیں
تدریس اور افتاء دونوں کاموں پر مشترک رکھا۔ اور اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ میں نے
یا ارباب حل وعقد نے انھیں منتخب کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی بلکہ ایسا انتخاب کیا
تھا جو بالکل صحیح اور بجا تھا تدریس اور افتاء دونوں شعبوں میں یہ ہر طرح کامیاب
رہے شعبۂ افتاء میں ان کی کامیابی کی دلیل یہ کتاب تو ہے ہی، ان کے ہزاروں
فتاویٰ ہیں اور ان کی دوسری تصانیف بھی۔

اس وقت جب کہ میں بتقاضاء سن اضمحلالِ قویٰ وضعف بصارت کی وجہ
سے نیز بعض شدید ترین ذہنی الجھن کی وجہ سے اہم فتاویٰ لکھنے سے معذور ہوں یہی
اس قسم کے تمام اہم فتاویٰ لکھتے ہیں اور جو کچھ بھی لکھتے ہیں بہت غور وخوض، کامل
مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں جس سے مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ
رہے گا۔

دیوبندیوں نے ایک ادارہ "مجمع الفقہ الاسلامی" کے نام سے قائم کیا ہے
جس کا مرکز دلی میں ہے جس میں نئے مسائل پر ہر سال وہ ایک اجتماعی اجلاس کر
کے بہت منظم طریقے سے سیمینار کرتے ہیں۔

اس سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ میرے نام بھی مسلسل آتا رہتا ہے اور
عزیز موصوف کے نام بھی آتا ہے ابتدا میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی لیکن
پھر خیال آیا کہ اس میں ہماری جماعت کے مفتی صاحبان کو بھی شریک ہونا چاہئے۔
چنانچہ ہم سب کی رائے سے اس کے تیسرے فقہی سیمینار میں عزیز موصوف شریک
ہوئے جو دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں ۸ رلغایت، ۱۱ رجون ۱۹۹۰ء کو ہوا تھا۔
جس میں تقریباً ڈھائی سو دیوبندی علماء شریک تھے ان میں سے چند اہم شخصیتیں یہ

ہیں۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی اڑیسہ و بہار، مولانا برہان الدین سنبھلی ندوہ
لکھنؤ، مولانا رفیع عثمانی کراچی پاکستان۔ اس سیمینار میں ایک بہت اہم شخصیت
ڈاکٹر محروس المدرس کی بھی تھی جو بغداد شریف کے باشندے اور عراق شریف کے
ماہر فقہ اسلامی تھے۔

اس سیمینار کا ایک اہم موضوع تھا۔

اسلامی بینکوں کے اخراجات کیسے پورے ہوں؟

اس پر قاضی مجاہد الاسلام نے ایک مقالہ لکھا تھا۔ جس میں انھوں نے یہ
فیصلہ کر دیا تھا:

"قرض کی وجہ سے ہونے والے واقعی اخراجات مقروض سے لینا جائز
ہے جیسے وہ منی آرڈر، یا قاصد کے ذریعہ قرض ادا کرے تو اسے منی آرڈر اور
قاصد کے واقعی اخراجات دینے پڑتے ہیں"

تقریباً تمام علماء دیوبند نے اس کی تائید کر دی، جب عزیز موصوف اس پر
بحث کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو اس دلیل کا تجزیہ کرکے اس کے سارے بخئے
ادھیڑ دیئے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ حاضرین میں جو ابتک رائے نہ دے سکے تھے وہ ان
کے ساتھ ہو گئے یہی نہیں بلکہ جو پہلے قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی تائید کر چکے تھے
ان کی اکثریت رجوع کرکے ان کی ہمنوا ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی فیصلہ اس
وقت نہ ہو سکا، اور اس پر مزید غور وخوض کرنے کے لئے اہم افراد کی ایک کمیٹی بنادی
گئی جس کے ایک رکن عزیز موصوف بھی تھے۔

اس کمیٹی کی پہلی نشست میں مفتی احمد سعید پالنپوری استاذ حدیث دار العلوم

دیوبند اور دوسرے فضلاء نے قاضی صاحب کے موقف کی تائید میں کچھ جزئیات پیش کئے جن کا جواب انھوں نے فوراً دیا۔ یہ نشست بھی بغیر کسی فیصلے کے برخاست ہوگئی۔

اس کے بعد دوسری نشستوں میں عزیز موصوف نے بیع حقوق و بیعِ مرابحہ کے زیرعنوان لکھے ہوئے اپنے مقالات پڑھے جنھیں سنکر تمام حاضرین دم بخود ہو گئے۔ قاضی میسور مولانا سعود عالم قاسمی نے بالخصوص بیع مرابحہ والے مقالے کو بیحد سراہا۔

دوسرا مسئلہ اس سیمینار میں بیع حقوق پر منعقد تھا۔

اس عنوان پر ماہر فقہ اسلامی عراق ڈاکٹر محروس المدرس بغدادی صاحب نے عربی میں ایک مبسوط مقالہ پڑھ کر سنایا اس میں انھوں نے مال کی تعریف کے ضمن میں اس پر بہت زور دیا تھا کہ مال کی ایک تعریف کے اعتبار سے مال کا مادی ہونا ضروری نہیں اس لئے حقوق ومنافع بھی مال ہیں لہذا ان کی بھی بیع صحیح ہے۔ ان کے اس مقالے کو تمام شرکاء سیمینار نے بہت زیادہ پسند کیا اور بہت تعریف کی۔ لیکن جب عزیز موصوف نے تنہا اس پر یہ تنقید کی کہ مال کی یہ تعریف ظاہر الروایۃ اور مذہب مختار کے خلاف ہے۔ جامع الرموز میں اس کی واضح صراحت موجود ہے تو ان کی اس تنقید پر سوائے ڈاکٹر موصوف اور قاضی مجاہدالاسلام کے کوئی کچھ بول نہ سکا، یہ لوگ کچھ بولے جن کے معقول جوابات عزیز موصوف نے دئے۔

اسی ادارے کا چوتھا فقہی سیمینار دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد دکن میں ۹، لغایت ۱۲/اگست ۱۹۹۱ء میں منعقد ہوا جس میں سبھی اکابر علماء دیوبند نے شرکت کی خصوصیت کے ساتھ غیر منقسم ہندوستان کے دیوبندی جماعت کے سب سے بڑے محقق تقی عثمانی کراچی پاکستان بھی موجود تھے اس سیمینار کا موضوع تھا:

''دوملکوں کی کرنسیوں کا اُدھار تبادلہ جائز ہے یا نہیں؟''

اس سیمینار میں سب سے پہلے مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنا مقالہ پڑھا اس میں انھوں نے ثابت کیا کہ دوملکوں کی کرنسیوں کا اُدھار تبادلہ جائز ہے۔ ان کے مقالے کی شرکاء سیمینار نے عام طور پر تائید کی۔

عزیز موصوف نے ان کے موقف کے خلاف دلائل و براہین سے بھرپور ایک محققانہ تقریر کی جس پر مفتی تقی عثمانی صاحب نے کچھ دیر تبادلۂ خیال کیا اخیر میں وہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگے۔

قاضی مجاہدالاسلام نے جب یہ رنگ دیکھا تو یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ اب اس مسئلے میں کتابوں کی طرف مزید مراجعت کرکے گفتگو ہوگی۔

پھر دودن میں تقی عثمانی صاحب سے عزیز موصوف کی اس مسئلے پر دومرتبہ گفتگو ہوئی جس سے متاثر ہوکر تقی عثمانی صاحب نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس برہان الدین سنبھلی صاحب سے کہا کہ میں اپنے موقف سے رجوع کرتا ہوں اور ان کا یہ رجوع بہت جلد مشتہر ہوگیا۔

لیکن سیمینار کی آخری نشست میں جب فیصلہ سنایا گیا تو عزیز موصوف کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے بربنائے ضرورت جواز کا حکم دیا گیا جس کی سب نے تائید کردی۔ لیکن تنہا عزیز موصوف نے اسے تسلیم نہیں کیا اور دلائل سے ثابت کردیا کہ ''ضرورت متحقق نہیں'' مولانا برہان الدین نے عزیز موصوف کی تائید کی مولانا تقی عثمانی خاموش چپ چاپ سنتے رہے پورے مجمع میں سے کسی نے بھی ان کے دلائل کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس سیمینار میں جنرل انشورنس اور لائف انشورنس کے مسائل بھی زیر بحث

آئے شرکاء نے مختلف قسم کی رائیں پیش کیں، پھر عزیز موصوف نے اپنی باری میں سب سے الگ تھلگ ایک منفرد رائے پیش کی جسے ناقابل انکار دلائل و براہین اور شواہد سے ثابت کر دیا جس پر تمام مجمع انگشت بدنداں تھا۔ ہر طرف سے صدائے تحسین بلند تھی۔

قاضی مجاہدالاسلام نے اسے تحریری شکل میں لکھنے کو کہا انھوں نے تحریر کر کے دیدیا جو مجلّہ فقہ اسلامی میں شائع ہو چکا ہے۔

جون ۱۹۸۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تین روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ جس کا موضوع تھا ''مدارس اسلامیہ میں سائنس کی ضرورت''۔ جس میں یونیورسٹی کے بہت سے پروفیسر و دانشور شریک ہوئے۔ اس سیمینار میں عزیز موصوف کی تقریر کو سب نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ آخری نشست کی صدارت آنجہانی مولانا تقی امینی نے کی یہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے صدر تھے انھوں نے مدارس کے نصاب اور اساتذۂ مدارس کے خلاف آدھے گھنٹے تک تقریر کی۔ علی گڑھ کے اساتذہ میں سے کچھ نے پسند کیا اور کچھ نے ناپسند۔ شرکاء میں جو علماء تھے ان سب نے اسے ناپسند کیا لیکن تقی امینی کے خلاف لب کشائی کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، بالآخر عزیز موصوف نے بیس منٹ تک ایک سنجیدہ تقریر کی جس میں ان کی تمام باتوں کا جواب دیا اور ان کے نامناسب انداز خطاب پر تنقید بھی کی جس سے متأثر ہو کر انھوں نے سب سے معافی مانگی۔

اس کا اثر مندوبین پر یہ پڑا کہ سب نے ان کی تعریف و توصیف کی، سیمینار ہال سے باہر نکلنے کے بعد تمام شرکاء نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ موصوف کی جرأت، زور بیان، طرز استدلال پر ہر چہار طرف سے داد و تحسین کی آوازیں آتی

رہیں اس کے بعد دو دن تک عزیز موصوف وہاں رہے جس طرف سے گزرتے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے اور بڑی وارفتگی کے ساتھ داد دیتے۔

میں نے مفتی صاحب کے بارے میں یہ چند باتیں اس لئے ذکر کر دی ہیں کہ اب علماء کے پہچاننے کا معیار بدل چکا ہے اب سب سے بڑے عالم ہونے کی نشانی شعلہ بیانی یا پیرزادگی ہے عوام تو عوام خواص تک حقیقی علماء کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ علماء کی معرفت، ان کی قدر دانی، ان کی عزت، ان کا احترام دین کی بقاء کے لئے ضروری ہے اس لئے میں نے ضروری جانا کہ عزیز موصوف کا تعارف کرادوں۔

عزیز موصوف کئی ایک اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کتاب وسنت کی روشنی میں (زیر تالیف)

(۲) لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم (مطبوعہ)

(۳) عصمتِ انبیاء (مطبوعہ)

(۴) عظمتِ والدین (مطبوعہ)

(۵) کمیشن پر صدقات کی وصولی اور اس کا شرعی حکم (غیر مطبوعہ)

(۶) مبارک راتیں (مطبوعہ)

(۷) جدید بینک کاری اور اسلام [۱]

مسئلہ لاؤڈ اسپیکر پر عزیز موصوف نے جمہور اکابر و اصاغر سے اختلاف رائے کیا ہے مگر یہ اختلاف نیک نیتی، مسلمانوں کی خیر خواہی اور اپنی سمجھ کے مطابق

۱؎ اب دو اہم تصانیف اور طبع ہو چکی ہیں (۸) کمپنی کا نظام کار اور اس کی شرعی حیثیت (۹) مشینی ذبیحہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں۔ ۲۳ر شوال ۱۴۲۱ھ/ ۱۹ر جنوری ۲۰۰۱ء

دلائل و براہین کی بنیاد پر کیا ہے اس لئے اس میں بھی وہ مستحقِ ثواب ہیں پھر اصل میں ان کی یہ کتاب علماء معتمدین کے لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں خود اس سے متفق نہیں مگر پھر بھی موصوف کی تحقیق وتطبیق کی اور دلائل و براہین کی فراہمی کی جدوجہد پر تحسین؎ ضرور پیش کرتا ہوں میری دعا ہے کہ ایزد متعال ان کو صحت و توانائی عطا فرمائے، ان کی عمر کو دراز فرمائے، ان کے فیض کو عام وتام کرے ان کے ذہن، قلم، زبان کو خطاء سے محفوظ رکھے اور صواب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

۲۱ر شوال ۱۴۱۳ھ/ ۱۳ر اپریل ۱۹۹۳ء

(شب چہارشنبہ)

؎ میں حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت نظری اور ذرہ نوازی پر تہِ دل سے مشکور ہوں، حضرت نے ایک ادنی مناسبت کی وجہ سے اس ناچیز کی طرف اختلاف کی نسبت فرمائی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس بے مایہ نے نہ اپنے اکابر سے اختلاف کیا ہے، نہ اس کا یہ منصب، اور نہ ہی اسے اس کی مجال۔ سچ یہ ہے کہ اکابر فقہائے اہل سنت کے درمیان شروع سے ہی اس مسئلے میں اختلاف رہا جو بلا شبہ نیک نیتی اور شرعی دلائل پر مبنی ہے راقم نے انھیں میں سے ایک طبقہ کا دامن تھام لیا ہے اور ایسے فرعی، غیر منصوص، اختلافی مسئلے میں اس کی اجازت ہے سیکڑوں مسائل میں امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف ان کے تلامذہ کے قول پر مقلدین عوام وخواص کا عمل ہے مگر ان مقلدین کی طرف اختلاف کی نسبت نہیں کی جاتی، بلکہ کسی کو اختلاف کا وہم تک نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں یہی حال اس عاجز بے مایہ کا ہے ۱۲ منہ

تصدیق جمیل

فقیہ ملت حضرت العلام، مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبۂ افتاء دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لک الحمد یا اللہ ! والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

فقیہ اسلام حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زید مجدہم کا رسالہ "جدید بینک کاری اور اسلام" کا ہم نے بالاستیعاب مطالعہ کیا جس میں فاضلِ جلیل نے امریکہ، فرانس، برطانیہ، جرمن، پرتگال، نیپال اور ہندوستان جیسی حکومتوں کے بینک وڈاک خانے میں اور ان ممالک کے غیر مسلم باشندے جو ذمی ومستامن نہیں ہیں ان کے پاس روپیہ رکھنے میں اصل سے زائد رقم لینے کے جواز پر اور دیگر مسائل سے متعلق جو تحقیق پیش کی ہے میں اس سے پورے طور پر متفق ہوں۔

رہا یہ سوال کہ حدیث شریف لاربوابین المسلم و الحربی فی دارالحرب میں دارالحرب کی قید ہے اور ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں۔ تو مسلمان اور یہاں کے کافروں کے درمیان سود ہونا چاہئے تو اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ دارالحرب کی قید یا تو احترازی نہیں ہے، اتفاقی ہے کہ اس زمانہ میں کافروں میں سے صرف ذمی اور مستامن دارالاسلام میں رہتے تھے اور حربی دارالحرب ہی میں

رہتا تھا۔ اس لئے سرکار اقدس ﷺ نے فی دارالحرب فرما دیا، نہ اس لئے کہ حربی کافر کبھی دارالاسلام میں رہے تو مسلمان اور اس کے درمیان سود ہو جائے گا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یاایّھاالذین امنوا لاتا کلوا الربٰوا اضعافا مضاعفة

اے ایمان والو! دونا دون سود نہ کھاؤ (پ ۴ ع ۵)

تو اس آیت کریمہ میں "دونادون" کی قید احترازی نہیں ہے کہ دونا دون سے کچھ کم و بیش سود کھانا جائز ہے بلکہ اس زمانہ میں لوگ عام طور پر دونا دون سود کھاتے تھے اس لئے فرمایا کہ دونا دون سود نہ کھاؤ۔ رئیس الفقہاء حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

انما قیّد به اجراء علی عادتھم والا فھو حرام مطلقاغیر مُقیّدٍ بمثل هذا القید۔ (تفسیرات احمدیه ص ۱۴۴)

اور یا تو حدیث شریف میں فی دارالحرب کی قید مستامن کو نکالنے کے لئے ہے۔ یعنی جب حربی مستامن ہو جائے تو اس کے اور مستامن کے درمیان سود ہے اس لئے کہ امان کے سبب اس کا مال مباح نہیں رہ جاتا کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ مسلمان اس کو حاصل کر سکے۔ وصلی اللّٰه تعالیٰ و سلم علی النبی الکریم الامین وعلی اله و اصحابه وابنه الغوث الاعظم الجیلانی والمجددِ الاعظم البریلوی اجمعین

جلال الدین احمد الامجدی
خادم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف
۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

تصدیق حضرات فقہائے اہل سنّت

حضرات فقہائے اہل سنت دامت فیوضہم نے "بیمۂ زندگی" کے بارے میں مجلسِ شرعی کے پہلے فقہی سیمینار میں اتفاق رائے سے جو فیصلہ صادر فرمایا ہے اس سے کامل طور پر راقم سطور کے موقف کی تصدیق ہوتی ہے اِن فقہائے کرام میں جانشین حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب ازہری مدظلہ العالی، نائب حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ العالی، ممتاز الفقہاء حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری دام ظلہ العالی، فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب دام ظلہ العالی اور ان کے علاوہ کثیر اکابر واصاغر شامل ہیں۔ ان حضرات کا فیصلہ یہ ہے:

بیمۂ زندگی

(۱) درج ذیل لوگوں کے لئے بیمۂ زندگی جائز ہے۔

(الف) وہ ملازم جس کی تنخواہ سے پریمیم کی رقم مستاجر خود وضع کر کے جمع کرنے کا ضامن ہو۔

(ب) وہ صاحب مال جس کو اپنی موجودہ حالت کے ساتھ تین سال کی مدت مقررہ، یا اس کے بعد کی مدت مُوسَّعہ تک تین سال کی تمام قسطیں مسلسل جمع کرنے کا ظن غالب ملحق بالیقین ہو۔

(۲) جس شخص کی موجودہ حالت مدّتِ مُوسَّعَہ تک تین سال کی پالیسی قائم رکھنے کے قابل نہیں ہے اس کا ظن ملحق بالیقین نہیں ہے، ایسے شخص کو بیمہ پالیسی کی

اجازت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) مدّتِ مُوَسَّعہ میں قسط سے زائد جو رقم ادا کرے وہ سود نہیں، بلکہ اپنے مال کو قرض دینا ہے کہ وہ اسے واپس ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ظن غالب کے ساتھ شروع کرنے والا اگر تین سال سے قبل اپنی کوتاہی سے بغیر کسی شرعی مجبوری کے اپنی پالیسی بند کردے تو آثم (گنہگار) ہے۔ اور اگر کسی شرعی مجبوری مثلاً اِفلاس وغیرہ کی وجہ سے پالیسی بند ہوگئی تو آثم (گنہگار) نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) بیمہ سے حاصل شدہ زائد رقم مال مباح ہے اسے اپنے امور میں صرف کرنا جائز ہے البتہ اسے صدقہ کردینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اصل جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ سال بسال واجب ہے مگر ادا عندالحصول (یعنی جمع شدہ رقم جس وقت وصول ہو) واجب ہے اور مالِ زائد حاصل ہونے کے بعد اصل نصاب سے ملحق ہوجائے گا، لہذا اس کی زکوٰۃ نصاب کے حولانِ حول پر واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (صحیفۂ مجلس شرعی ص ۲۳ جلد ۱)

جبری بیمۂ اموالُ

(۱) انجن سے چلنے والی گاڑیوں کا جبری انشورنس حکومت کی طرف سے ایک جبری ٹیکس ہے اس کا ادا کرنے والا معذور ہے، گنہگار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بینک سے قرض لینے پر جبری بیمۂ اموال درج ذیل دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

(۱) بینک کا قرض جس پر کچھ زائد رقم دینی پڑتی ہے وہ زائد رقم انکم ٹیکس سے وضع

ہوجائے۔

(ب) بینک سے "قرض بشرط ادائے مالِ فاضل" لینے میں انکم ٹیکس سے کم ازکم مالِ فاضل کے برابر، یا اس سے زائد کی بچت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ریل گاڑی اور ہوائی جہاز کے ٹکٹوں میں جو جبری انشورنس کی رقم دینی پڑتی ہے وہ بھی ٹیکس کے قبیل سے ہے، بوجہ جبر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اِختیاری بیمۂ اَموال

(۱) اَموال کے نقل وحمل کا بیمہ۔ جو پوسٹ آفس اور ریلوے، وغیرہ کے ذریعہ مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا اختیاری یا جبری انشورنس ہوتا ہے مثلاً پارسل، وی پی، رجسٹری، منی آرڈر، بیمہ، تو یہ صورتیں اجارۂ حفظ وحمل کی ہیں جو جائز ہیں۔ تفصیل مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے رسالۂ مبارکہ "اَلمُنیٰ والدرر لِمَن عَمِدَ منی آرڈر" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) انسانی اعضاء وصفات کا بیمہ بھی جائز نہیں کہ یہ بھی قمار ہے جس میں نفع موہوم، اور ضیاعِ مال اغلب۔ واللہ تعالیٰ اعلم (صحیفۂ مجلس شرعی ص ۳۳ جلد ۱)

جائز وناجائز اسکیموں، کھاتوں کا ایک اجمالی چارٹ چاروں مذاہب کی روشنی میں

نمبر	کھاتے/اسکیمیں	حنفی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنبلی مذہب
۱	کرنٹ اکاؤنٹ	جائز	جائز	جائز	جائز
۲	سیونگ بینک اکاؤنٹ، اور فِکس ڈپوزٹ کی تمام اسکیمیں/کھاتے (جن پر نفع ملتا ہے)	ہندوستان میں جائز غیر مسلم ممالک میں جائز مسلم ممالک میں ناجائز	مطلقاً ناجائز - - -	مطلقاً ناجائز - - -	مطلقاً ناجائز - - -
۳	ڈاکخانے کا سیونگ بینک اکاؤنٹ فِکس ڈپوزِٹ، این ایس سی، کسان وکاس پتر، اور انکے مثل دوسری اسکیمیں/کھاتے	ہندوستان میں جائز غیر مسلم ممالک میں جائز مسلم ممالک میں ناجائز	مطلقاً ناجائز - - -	مطلقاً ناجائز - - -	مطلقاً ناجائز - - -
۴	جی پی ایف، جی آئی ایس، آر ڈی	ہند اور غیر مسلم ممالک میں جائز اور مسلم ممالک میں ناجائز	مطلقاً ناجائز - - -	مطلقاً ناجائز - - -	مطلقاً ناجائز - - -

نمبر	کھاتے/اسکیمیں	حنفی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنبلی مذہب
۵	بینک اور ڈاکخانے سے قرض لینے کی وہ تمام شکلیں جن پر انٹرسٹ دینا پڑتا ہے	مذہب راجح پر ناجائز -	قطعاً ناجائز -	قطعاً ناجائز -	قطعاً ناجائز -
۶	مسلم مالیاتی اداروں سے قرض لیکر اس پر مشروط نفع دینا گو اس کی شکل اور نام کچھ بھی ہو	مسلمان کے لئے ناجائز اور یہاں کے غیر مسلموں کے لئے جائز	مطلقاً ناجائز - -	مطلقاً ناجائز - -	مطلقاً ناجائز - -
۷	قرض دے کر مقروض کی زمین رہن پر لینا اور اس سے نفع کمانا۔	مقروض مسلم ہوتو ناجائز، غیر مسلم ہوتو جائز	مطلقاً ناجائز - -	مطلقاً ناجائز - -	مطلقاً ناجائز - -
۸	چھوٹ والے قرضے مثلاً آئی آر ڈی پی، سِیُو ے، وغیرہ	اپنے حق کی وصولی کی نیت سے جائز	اپنے حق کی وصولی کی نیت سے جائز	اپنے حق کی وصولی کی نیت سے جائز	اپنے حق کی وصولی کی نیت سے جائز
۹	انکم ٹیکس کی مجبوری سے قرض لینا تاکہ مال کی بربادی کم سے کم ہو	جائز	مجبوری ضرورتِ شرعی کی حد تک ہو تو جائز	مجبوری ضرورتِ شرعی کی حد تک ہو تو جائز	مجبوری ضرورتِ شرعی کی حد تک ہوتو جائز

نمبر	کھاتے/اسکیمیں	حنفی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنبلی مذہب
۱۰	اعتمادی کارڈ/کریڈٹ کارڈ	اس سے روپے حاصل کرنا مطلقاً ناجائز۔ اور ادھار سامان خریدنا دو شرطوں کی پابندی کے ساتھ جائز ورنہ مطلقاً ناجائز۔	حنفی مذہب کے مطابق - -	حنفی مذہب کے مطابق - -	حنفی مذہب کے مطابق - -
۱۱	بینکوں کے پریفرنس شیرز	قطعاً حرام	قطعاً حرام	قطعاً حرام	قطعاً حرام
۱۲	بینکوں کے ایکویٹی شیرز	حرام بطور سدِ باب معصیت	-	حرام بطور سدِ باب معصیت	-
۱۳	چیک اور پرچی کی خرید و فروخت	ناجائز ایک شرط کی پابندی کے ساتھ جائز	ناجائز -	ناجائز -	ناجائز -
۱۴	امریکی چیک کی خرید و فروخت	جائز	جائز	جائز	جائز
۱۵	لائف انشورنس (زندگی بیمہ)	ایک شرط کے ساتھ جائز	مطلقاً ناجائز	مطلقاً ناجائز	مطلقاً ناجائز

نمبر	کھاتے/اسکیمیں	حنفی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنبلی مذہب
۱۶	جنرل انشورنس اختیاری	ناجائز	ناجائز	ناجائز	ناجائز
۱۷	جنرل انشورنس غیر اختیاری	بوجہ اضطرار جائز	بوجہ اضطرار جائز	بوجہ اضطرار جائز	بوجہ اضطرار جائز
۱۸	منی آرڈر، رجسٹری بیمہ، وی پی، ٹیلی گرام، وغیرہ	جائز	جائز	جائز	جائز

کوئی کام بجائے خود مباح ہو لیکن وہ کسی ناجائز وحرام کام کے ارتکاب کا ذریعہ بنتا ہو تو شریعتِ اسلامیہ ایسے مباح کام پر بھی ''حکمِ امتناعی'' جاری کر دیتی ہے تا کہ گناہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے اسی کو اصطلاح میں ''سَدِّ ذریعہ'' اور ''سَدِّ بابِ معصیت'' کہا جاتا ہے اور ''اِضطرار'' کا مطلب ہے ایسی شرعی مجبوری جس کے بغیر کام نہ چل سکے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للّٰہ وحدہ ⊗ والصّلاۃ والسّلام علی من لانبیّ

بعدہٗ ⊗ وعلیٰ الہٖ و صحبہٖ ⊗ وجندہٖ و حزبہ ⊗ امّابعد!

عصر حاضر کا بینک کاری نظام کچھ ایسی مرکزیت حاصل کر چکا ہے کہ آج دنیا کے تقریباً سارے ہی معاشی واقتصادی اموراس کے گرد گردش کررہے ہیں۔گویا معاشی توانائی کی فراہمی کے لحاظ سے یہ ہمارے شمسی نظام کے مشابہ ہے۔

یہ پورا نظام تین مضبوط بنیادوں پر رواں دواں ہے۔

(۱) عوام سے مال حاصل کر کے اعلیٰ پیمانے پر تجارت۔

(۲) عوام کو تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت وغیرہ کے لئے قرض کی فراہمی۔

(۳) ترسیلِ زر، اور امانتوں کے تحفظ کا اجارہ۔

''ترسیل زر'' سے مراد ہُنڈی، ڈرافٹ، اور سفری چیک (Travellers Cheque) وغیرہ کا اجرا ہے اور ''امانت'' سے مراد لوگوں کی قیمتی اشیا ہیں۔

(۴) بلوں وہُنڈِیوں کے دام میں کچھ کٹوتی کے ساتھ پیشگی ادائیگی۔ یہ بینک کا ضمنی کاروبار ہے۔

اب ہم مضامین کے تنوّع کے لحاظ سے اپنی گفتگو چار اَبواب اور ایک خاتمہ پر تقسیم کرتے ہیں۔ والتوفیق بیداللہ عز و جلَّ وَبِہٖ نستعین۔

پہلا باب

بینک اورڈاکخانوں کی سرمایہ اندوزی کے اقسام واحکام

بینک کی سرمایہ اندوزی کے اقسام | بینک میں روپے جمع کرنے کی حسب ذیل بہت سے قسمیں ہیں۔

(۱) سیونگ بینک اکاؤنٹ (SAVINGS BANK ACCOUNT) اسے ''بچت کھاتہ'' بھی کہا جاتا ہے اس کھاتے میں عوام اپنا بچا کھچا سرمایہ جمع کرتے رہتے ہیں اور جب چاہیں نکال سکتے ہیں۔ اس پر بینک نفع بھی دیتا ہے مگر شرح نفع کم ہوتی ہے جو عموماً ۵% فیصد یا اس سے کچھ کم ہوتا ہے۔ اس وقت ۴% فیصد ہے۔

(۲) میعادی جمع کھاتہ: اس کھاتے میں رقم ایک مقررہ مدت کے لئے جمع کر دی جاتی ہے اس پر نفع کی شرح بچت کھاتہ سے زیادہ ہوتی ہے اس وقت یہ شرحِ نفع کم از کم ۸% فیصد ہے۔ اسی کو ''فِکسڈ ڈپوزِٹ'' (FIXED DEPOSIT) بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) متواتر جمع کھاتہ۔ اس کھاتے میں ایک مقررہ رقم مثلاً دس روپے، بیس روپے، پچاس روپے ماہ بماہ ایک مقررہ میعاد تک کے لئے جمع کی جاتی ہے اور میعاد پوری ہونے پر پوری رقم مع نفع واپس کر دی جاتی ہے اسے کیومولیٹیو ڈپوزٹ اکاؤنٹ۔ C.D.A. بھی کہا جاتا ہے۔

(۴) سی، ڈی، آر۔ C.D.R. یہ بھی ایک طرح کا میعادی جمع کھاتہ ہے اس میں رقم کم سے کم ۴۵ دن یا اس سے زیادہ مدت کے لئے فِکس کی جاتی ہے۔

(۵) منتقلی ڈپوزٹ اسکیم۔ اس اسکیم میں رقم ایک دفعہ فکس کی جاتی ہے اور اس پر ایک مقررہ شرح سے ماہ بماہ نفع ملتا رہتا ہے۔

(۶) رے کرنگ ڈپوزٹ (RECURRING DEPOSIT) روپے فِکس کرنے والا ہر مہینے میں مقررہ رقم جمع کرتا رہتا ہے اور ڈپوزٹ کی میعاد پوری ہونے پر نفع

کے ساتھ وہ رقم مل جاتی ہے بعض بینکوں میں اس کا نام ''پرُوگرِے سِیو ڈپوزٹ'' (PROGRESSIVE DEPOSIT) ہے۔

(۷) گورنمنٹ پرُووِیڈنٹ فنڈ: جسے جی، پی، ایف .G.P.F بھی کہا جاتا ہے حکومت اپنے ملازمین کی بنیادی تنخواہ (بیسک سیلری) سے دس فیصد ۱۰% وضع کر کے فنڈ میں جمع کرتی رہتی ہے پھر ان کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد پوری رقم نفع کے ساتھ واپس کر دیتی ہے۔

(۸) گروپ انشورنس اسکیم۔ (G.I.S) یہ اسکیم ''بچت اور انشورنس'' دونوں کا مجموعہ ہے۔ شعبۂ طب کے ملازمین کی بنیادی تنخواہ کا ایک مختصر حصّہ (مثلاً ۳۰ روپئے) حکومت لازمی طور پر وضع کر کے یوں جمع کرتی ہے کہ تقریباً $\frac{1}{3}$ انشورنس ہوتا ہے اور بقیہ بچت۔ مثلاً ۳۰/روپئے میں ۹/روپئے انشورنس اور ۲۱/روپئے بچت۔ یہ انشورنس ہوائی جہاز کے مسافروں کے انشورنس کی طرح جبری ہوتا ہے اور بچت والے روپئے پر آج کل ۴/فیصد نفع ملتا ہے۔

(۹) کرنٹ اکاؤنٹ: (CURRENT ACCOUNT) یعنی چالو کھاتہ اس اکاؤنٹ کے کھاتہ داروں کو بینک سے کوئی نفع نہیں ملتا، بلکہ انھیں صرف اپنی جمع کردہ رقم واپس ملتی ہے۔

ڈاکخانوں کی سرمایہ اندوزی کے اقسام | ڈاکخانے بھی بینکوں کی طرح عوام سے روپے جمع کر کے سرمایہ کاری کرتے ہیں جس کی مختلف شاخیں ہیں:

(۱) بچت بینک کھاتہ: جسے انگریزی میں سیونگ بینک اکاؤنٹ (S.B.A) کہا جاتا ہے یہ بینکوں کے بچت کھاتے کی طرح ہے۔

(۲) میعادی جمع کھاتہ یعنی فِکسڈ ڈپوزٹ (F.D.A): یہ ایک متعین مدت تک کے لئے سرمایہ اندوزی کی اسکیم ہے۔ یہ مدت ۳ ماہ، ۶ ماہ، ایک سال، دو سال اور اس سے زیادہ وکم بھی ہوسکتی ہے اور اسی لحاظ سے شرح نفع بھی کم وبیش ہوگا۔

(۳) قومی بچت وثیقہ یعنی نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ، اسے عرف عام میں این ایس سی (N.S.C) کہا جاتا ہے۔

(۴) کسان فلاحی نامہ یعنی کسان وِکاس پتر (K.V.P)

(۵) اندرا فلاحی نامہ یعنی اندراوکاس پتر (I.V.P)

ان اسکیموں میں روپے علی الترتیب ۶ سال، ۵½ سال، اور ۵ سال کے لئے جمع ہوتے ہیں مگر یہ مدت ملک کی اقتصادی خرابی کی صورت میں بڑھادی جاتی ہے این ایس سی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جمع شدہ رقم انکم ٹیکس سے محفوظ رہتی ہے۔ اور اِندراوِکاس پتر کی رقم حکومت کی نگاہ سے بالکل پوشیدہ رہتی ہے اس لئے وہ بھی انکم ٹیکس کی زد میں نہیں آتی۔

(۶) ماہانہ آمدنی اسکیم یا منتقلی انکم اسکیم (M.I.S) اس اسکیم مین ہر ماہ ۱۳% فیصد نفع ایک مقررہ مدت تک وصول ہوتا رہتا ہے اور میعاد پوری ہونے پر کُل جمع رقم ۱۰ فیصد بونس کے ساتھ واپس کردی جاتی ہے۔

اور این ایس سی، نیز درج بالا وثیقہ جات کی رقم دونے نفع کے ساتھ میعاد پوری ہونے پر یک مشت ادا کی جاتی ہے اور بچت کھاتہ کا نفع نسبۃً زیادہ کم ہوتا ہے کیونکہ اس کھاتے کی رقم کسی معینہ میعاد تک کے لئے فِکس نہیں ہوتی۔

جمع شدہ مال کی شرعی حیثیت عوام کے ذریعہ بینک یا ڈاکخانے میں جو مال جمع ہوتا ہے وہ یا تو "امانت" ہے، یا "قرض" یا "مُضارَبت"۔

امانت کا احتمال تو اس لئے ناقابل اعتناء ہے کہ اس میں صرف جمع کردہ مال کی واپسی ہوتی ہے، اور مال ضائع یا ہلاک ہو جائے تو امین اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، لیکن بینک اس کے برخلاف تاوان کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اصل مال پر ایک طے شدہ در سے کچھ "اضافہ" بھی دیتا ہے۔

اور اسے "مضاربت[1]" بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ مضاربت کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ تجارت میں خسارہ ہو تو اس کا تنہا ذمہ دار ربُّ المال (سرمایہ دار) ہوتا ہے، مُضارِب (تاجر) کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ البتہ نفع میں دونوں کسی بھی طے شدہ فیصد یا حصہٴ شائع کے حساب سے باہم شریک ہوتے ہیں، علاوہ ازیں یہاں بھی راسُ المال مضارب کے پاس امانت ہوتا ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ بینک کے ذریعہ سرمایہ کاری میں صاحبِ مال (کھاتہ دار) خسارہ کا قطعی ذمہ دار نہیں ہوتا، اور مال کے ضیاع کی صورت میں تاوان کا حقدار بھی ہوتا ہے۔ لہذا بینک میں جمع شدہ مال کی شرعی حیثیت "قرض" کی ہے کہ اس میں مثل مال کی واپسی بہر حال لازم ہوتی ہے اور اسی کا نام شرعاً قرض ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

اَلقرض شرعًا: ماتُعطیه مِن مِثليٍّ لِتتقاضاهُ۔ وهواَخصر مِن قوله: (عقدٌ مَخصوصٌ يَرِدُ علىٰ دفع

شرعاً قرض یہ ہے کہ کسی کو مثلی مال (روپیہ، غلّہ، وغیرہ) یوں دے کہ اسے پھر واپس لے گا۔ بلفظ دیگر قرض

[1] مُضارَبَت: ایک خاص قسم کی تجارت ہے، جس میں سرمایہ دار پارٹی کسی کو تجارت کے لئے روپے اس معاہدہ کے ساتھ دیتی ہے کہ نفع میں دونوں برابر کے یا کم وبیش کسی بھی مقررہ فیصد کے شریک ہوں گے ۱۲ منہ

مالِ مِثلِيٍّ لِآخَرَ لِيَرُدَّ مِثلَه' اھ ملخصاً (أو اخر بَابِ المُرَابحة، فصلٌ فی القرض)

ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جس میں دوسرے کو روپیہ یا اس جیسا مال اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ بعد میں اُسی جیسا مال واپس کردے گا۔

لسان الحکام اور العقود الدُّرِّیہ وغیرہما میں ہے:

دَفَعَ إليه دَرَاهِمَ، فقَالَ له': اَنفِقْهَا ففَعَلَ، فهو قرضٌ، کمالوقال: إصرِفها إلیٰ حوائجک اھ

کسی کو کچھ روپے دے کر خرچ کرنے کی اجازت دے دی، یا یہ کہا کہ اسے اپنی ضروریات میں صرف کرو تو وہ قرض ہے۔

ہدایہ کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ کسی نے بنیا کو ایک روپیہ اس شرط پر دیا کہ یہ اس سے حسب ضرورت سامان لیتا رہے گا تو یہ قرض ہے کہ اس نے اسے اُس روپیہ کا مالک بنا دیا ساتھ ہی ناجائز بھی ہے کہ اس نے اپنے مقروض سے شرط کا فائدہ حاصل کیا، الفاظ یہ ہیں: مَن وَضَعَ دِرهمًا عند بَقّالٍ یاخذمنه ماشاءَ، یُکْرَہُ له' ذلک، لأنّه' مَلَّکه' قرضاً جَرَّ بِهٖ نفعًا وهوأن یاخذمنه ماشاء حالًا فحالًا اھ (۴/۴۰۷) یہ بینک میں جمع کردہ روپے کا صریح جزئیہ ہے۔ نیز فتاوی رضویہ میں ہے:

”ظاہر ہے کہ روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین (یعنی قرض) ہوتا ہے“ (۶/۳۸۶ مصارف وقف)

ہاں بینک اپنے قانون کی رو سے جمع رقم پر کچھ نفع بھی دینے کا پابندِ عہد ہے مگر یہ نفع اسے ”قرض“ ہونے سے خارج نہیں کرتا، نہ اسکی حقیقت پر اس کی وجہ سے کوئی اثر پڑتا ہے جیسا کہ بنیا والے مذکورہ مسئلے سے بخوبی عیاں ہے۔

قرض لین دین کی شرط | اسلام کے نزدیک قرض ایک قسم کا احسان اور برّ وصِلہ ہے اس لئے وہ اسے ہر قسم کے منافع سے پاک ومنزّہ دیکھنا چاہتا ہے اور کسی معاہدہ یا عرف وتعامُل کی رو سے منافع کے حصول کو ربا وسُود قرار دے کر ناجائز گردانتا ہے، یعنی اسلام کے اصول کے مطابق قرض پر مشروط نفع کا لین دین سود ہے جو قطعی حرام وگناہ ہے، ارشاد نبوت ہے:

کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا۔ [1] قرض کی وجہ سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

ہم آگے چل کر اس مسئلے پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ اِن شاء اللّٰہُ عَزّ و جَلّ۔

بینک اور ڈاکخانے کے درج بالا کھاتوں اور اسکیموں میں روپے جمع کرنے پر تھوڑا یا زیادہ جو کچھ بھی نفع قرض دہندہ (کھاتہ دار) کو وصول ہوتا ہے وہ اپنی ظاہری شکل میں سود ہی معلوم ہوتا ہے اور ہمارے بعض علمائے اہل سنت کا موقف بھی احتیاطاً یہی ہے لیکن اکثر علما وفقہاء اسے مطلقاً سود ماننے کے لئے آمادہ نہیں وہ اس میں کچھ توسُّع کے قائل ہیں اور تفصیل کا نظریہ اختیار کرتے ہیں۔

اس کی وضاحت کے لئے پہلے چار ضروری مقدمات کو ذہن نشین کیجئے۔

پہلا مقدمہ | دنیا میں بسنے والے انسان اسلام کی نگاہ میں چار حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

(۱) مسلم۔

(۲) غیر مسلم ذِمّی۔

---

[1] نصب الرایہ ص ۶۰ ج ۴ بحوالہ مسند حارث، ایضاً الدرایہ بحوالہ مذکورہ

(۳) غیر مسلم مُستامن۔

(۴) وہ غیر مُسلم جو نہ ذمّی ہو، نہ مستامن۔

★ ''مسلمان'' تو وہ ہے، جس نے مذہب اسلام کو قبول کیا اور اس کے تمام اصول وفروع، عقائد، عبادات ومعاملات میں اس کی پابندی کا دل وزبان سے عہد واعتراف کیا۔

★ ''غیر مسلم ذمّی'' وہ شخص ہے جس نے اسلام کو تو قبول نہیں کیا لیکن سلطانِ اسلام سے اجازت حاصل کر کے دستوری معاہدہ کے ساتھ اسلامی حکومت میں اس نے مستقل سکونت اختیار کرلی، یعنی وہیں کا باشندہ ہوگیا۔ آجکل ایسے غیر مسلم نہیں پائے جاتے۔

★ ''غیر مسلم مستامن'' یہ بھی ایک طرح کا ذِمّی ہی ہے، فرق یہ ہے کہ اسکا قیام اِسلامی حکومت میں محض عارضی ہوتا ہے۔ جیسے آج کے زمانے میں کسی بھی غیر ملک میں ویزا (VISA) لے کر جانے والے کا قیام عارضی ہوتا ہے۔ اب مسلم سلطنتوں میں رہنے والے غیر مسلم عموماً مستامن ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہی حکم وہاں کے غیر مسلم سیاحوں اور ملازمین کا بھی ہے۔

★ ''وہ غیر مسلم جو نہ ذِمّی ہو، نہ مستامن''، اس کی تعریف اس کے نام سے ظاہر ہے۔ بلفظ دیگر یہ وہ شخص ہے جو سلطانِ اسلام سے کوئی دستوری معاہدہ کئے بغیر دارالاسلام میں عارضی، یا مستقل رہائش پذیر ہو، یا غیر دارالاسلام کا باشندہ ہو۔

ذِمّی اور مستامن چونکہ اپنی رضا وخوشی سے سلطانِ اسلام سے دستوری معاہدہ کر کے اس کی حکومت میں مستقل، یا عارضی رہائش اختیار کرتے ہیں اور اس

معاہدہ میں ان پر کوئی جبر وزور نہیں ہوتا، اس لئے دیوانی کے معاملات اور تعزیرات میں ان کا حکم ٹھیک وہی ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ لہذا جو معاملات مسلمانوں کے درمیان باہم حرام وگناہ ہوں گے وہ تمام تر معاملات مسلمان اور غیر مسلم ذمی، ومستامن کے درمیان بھی حرام وگناہ قرار پائیں گے، قانون اسلامی کی بڑی معتمد ومستند کتاب ''الھدایہ'' میں ان کے احکام ان الفاظ میں درج ہیں۔

وأهل الذمة فى البياعات كالمسلمين لقوله عليه السلام فى ذٰلِکَ الحديث: فَأَعلِمُهم أنَّ لهم ماللمسلمين، و عليهم ما على المسلمين۔" ولاَ نَّهُم مُكَلَّفُوْن،محتاجونَ کا لمسلمين اِلّافى الخمرِ و الخنزير خاصةً، فَاِنَّ عَقدَ هم على الخَمرِ كعقد المسلمين على العصير، و عَقْدَهُمْ على الخنزير كعَقدِ المسلم على الشاةِ لِاَنَّهااَمْوَالٌ فى اعتقادِهِم، ونحنُ أمرنَا بأن نَترُكَهُم وما يعتقدون۔ [1]

غیر مسلم ذمی خرید وفروخت (وغیرہ) کے معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ''انھیں بتادو کہ جو معاملات مسلمانوں کے لئے حلال ہیں وہ ان کے لئے بھی حلال ہیں، اور جو معاملات مسلمانوں پر حرام ہیں وہ ان پر بھی حرام ہیں''۔ اور اس لئے بھی کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح سے مکلّف وحاجتمند ہیں۔ البتہ خاص طور پر شراب وخنزیر کے سلسلے میں ان کا حکم مسلمانوں سے الگ تھلگ ہے کیونکہ ان کے نزدیک شراب کی خرید وفروخت مسلمانوں کے شیرۂ انگور کی خرید وفروخت کی طرح ہے۔ اور ان کے یہاں

[1] الھدایۃ ص ۸۶، ج ۳، مسائل منثورہ۔

خنزیر کی خرید و فروخت مسلمان کے
بکری خریدنے بیچنے کی طرح ہے
کیونکہ شراب وخنزیر ان کے اعتقاد
میں مال ہیں، اور شریعت اسلامی نے
ہمیں حکم دیا ہے کہ انھیں ان کے
عقیدہ و مذہب پر آزاد چھوڑ دیں۔

نیز ہدایہ کتاب الربٰو میں ہے بخلاف المستامن منهم لأنّ ماله‘ صار محظورًا بعقدالأمان اھ غیر مسلم مستامن کا مال معاہدۂ امان کی وجہ سے محظور و معصوم ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ ص ۷۰ ج ۳، اخیر کتاب الربا)

اور جس غیر مسلم نے سلطانِ اسلام سے کوئی دستوری معاہدہ نہیں کیا اس پر عبادات کی طرَح سے دیوانی کے معاملات میں بھی اسلامی قانون کا اطلاق نہ ہوگا، اور اسے اس بات کی مکمل آزادی حاصل ہوگی کہ اپنے تمام مال و اسباب میں اپنے مذہب کے مطابق جیسے چاہے تصرف کرے کہ جب اس نے مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا اور کاروبار میں بھی اس نے اسلامی اصولوں سے کوئی مصالحت نہیں کی تو اسلامی اصول کی پابندی اس کے ذمہ کیوں عائد ہوگی؟

دوسرا مقدمہ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوکر سامنے آتا ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق سود صرف مسلم اور ذِمّی ومُستامن کے مال ہی میں متحقق ہوگا۔

مسلم کے مال میں تو اس لئے سود مُتحقق ہوگا کہ وہ اسلام کا پیرو اور اسلامی احکام کا مخاطب ہے لہذا اسلام کا ”قانونِ سود“ اس کے مال میں جاری ہوگا۔

اور ذِمّی ومُستامن کے مال میں اس لئے یہ قانون جاری ہوگا کہ انھوں نے اس باب میں خوش دلی سے اسلامی اصولوں کے ماننے کا عہد کیا ہے۔

لیکن جو غیر مسلم ذمّی یا مستامن نہیں وہ نہ تو اسلامی احکام کا مخاطب [1] ہے، اور نہ ہی اس سلسلے میں اس کا کوئی رضا کارانہ معاہدہ ہے لہذا اس کے مال میں شرعی اصطلاح کا سود متحقق نہ ہوگا تا کہ یہ نہ ہو کہ اسلام نے اُن پر اپنے ”پرسنل لا“ کا کوئی حکم جاری کیا، یا ان کے فکر و اعتقاد یا مذہبی آزادی میں کوئی رخنہ اندازی کی۔ اس کا بیان حدیث پاک میں بڑے نمایاں الفاظ میں موجود ہے۔

ارشاد نبوت ہے:

لارِ بَابَيْنَ اَهْلِ الحرب وَاَهْلِ الْإِسْلَام۔ [2]

جو غیر مسلم ذمی ومستامن نہ ہو، اس کے اور مسلم کے درمیان کوئی معاملہ سود نہیں۔

---

[1] اور نورالانوار (۶۳، ۶۴) وغیرہ کتب اصول میں جو یہ صراحت ہے کہ معاملات کے باب میں کفار بھی اسلامی احکام کے مخاطب ہیں تو یہاں کفار سے غیر مسلم ذمی مراد ہیں جیسا کہ اسی بحث میں بطور دلیل خود انھیں کی نقل کردہ یہ حدیث شاہد ہے ”وإنمابذلوا الجزية ليكون دمائُهُم كدمائنا و أموالهم كأموالنا“ (ص ۶۴) اور مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے وأمّا التكليف بالعقوبات و المعاملات فاتفاق بيننا و بينهم بعقدالذمّة، عقدُالذمّة انّمايقتضى أنْ تقام عليهم العقوباتُ كماُ تقام علينا و تنفذو تفسخ المعاملات كما تنفذ و تفسخ عقودنا إلّا مااسْتُثْنِيَتْ اھ (ص ۱۲۸ ج ۱، اَلْمقالۃُ الثانیہ) بدائع الصنائع ص ۱۹۳ ج ۵ کی صراحت فَيَجرِى الربابين المسلم و الذمى سے بھی یہی عیاں ہے۔ ۱۲ منہ

[2] الدرایہ بحوالہ بیہقی۔

تیسرا مقدمہ آج عام طور سے دنیا میں ایسے ہی غیر مسلم پائے جاتے ہیں جو ذمی و مستامن نہیں اور بہت سے ممالک میں ان کی حکومت بھی ہے جیسے امریکہ، کناڈا، پُرتگال، جرمنی، انگلینڈ، ہالینڈ، ڈنمارک، اسپین، فرانس، روس، ناروے، چین، جاپان، نیپال وغیرہ۔ ہندوستان کے غیر مسلم باشندے بھی ذمی یا مستامن نہیں، جیسا کہ ان کی تعریف سے عیاں ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے ہندوستان کے ایک مایۂ ناز، جلیل القدر و معتمد عالم حضرت علامہ احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی نظریہ پیش کیا تھا[1]۔ اور حقائق کا صحیح جائزہ لینے سے یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ یہاں عملی طور پر حکومت بھی انھیں لوگوں کی ہے گو نام جو کچھ بھی ہو، اور کم از کم آج کے حالات میں تو کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہونا چاہئے۔ ایسے غیر مسلم اور ان کی حکومتیں سیکولر (SECULAR) یا غیر اسلامی ہیں۔ انھیں اسلام کے قانونِ معاملات سے کوئی سروکار نہیں، بلفظ دیگر یہ نہ تو احکامِ اسلام کے مخاطب ہیں اور نہ ہی مُعاہد۔ لہٰذا ان کے مال میں سود کا تحقق نہ ہوگا جیسا کہ دوسرے مقدمہ سے عیاں ہے۔

چوتھا مقدمہ مسلمان اور غیر مسلم (جو ذمّی و مستامن نہ ہو) کے درمیان قرض یا خرید و فروخت وغیرہ کا معامَلہ اگر اس طرح پر طے ہو کہ نفع مسلمان کو ملے تو بالاتفاق سود نہیں کیونکہ غیر مسلم کے مال میں جیسا کہ بیان کیا گیا اسلام کا قانونِ سود جاری نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفع غیر مسلم کو ملے، بلفظ دیگر مسلمان کو زیادہ دینا پڑے تو مذہبِ امام اعظم کے مطابق یہ بھی سود ہوگا، یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

۱؎ تفسیرات احمدیہ

ایک طبقہ اس امر کا قائل ہے کہ یہ "زیادت" سود ہے کیونکہ مسلمان جب احکامِ شرعیہ کا پابند ہے تو اس کے مال میں شرعی سود کا قانون جاری ہوگا۔ امام ابن الہمام کمال الدین، اور امام احمد رضا علیہما الرحمۃ والرضوان کا موقف یہی ہے جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے عیاں ہوتا ہے۔

امام ابن الہمام فرماتے ہیں

لا يخفى أنّه إنّما يقتضي مباشرة العقد إذا كانتِ الزيادة ينالها المسلم--- وقد التزم الأصحاب في الدرس أنّ مُرادَهم من حِلّ الرّبا ما إذا حصلتِ الزيادةُ للمسلم نظرًا إلى العلّة اھ[1]

پوشیدہ نہ ہے کہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ سودی شکل کا کاروبار غیر مسلم سے اس وقت حلال ہے جب اضافہ مسلمان کو ملے--- اور ہمارے اساتذہ نے علّتِ ربا کے پیشِ نظر درس میں اس وضاحت کا التزام کیا ہے کہ فقہا کی مراد ظاہری سود کی حلت سے یہ ہے کہ زائد رقم مسلمان کو حاصل ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"(غیر مسلم نے) مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا، اور شرط کر لی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سود ہے۔ لأنّ كُلّ قرضٍ جرّ منفعةً فهو ربا"۔ اھ[2]

لیکن فقہاء کا ایک بڑا طبقہ اسے بھی سود نہیں تسلیم کرتا، اور بجائے خود ان کی دلیل بھی قوی و مستحکم نظر آتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ متونِ مذہب میں سود کے

۱؎ فتح القدیر (مع الکفایۃ وغیرھا) ص ۱۷۸، ج ۶۔ قبیل کتاب الحقوق

۲؎ فتاویٰ رضویہ، ص ۱۰۵، ج ۷۔ سنی دار الاشاعت۔

پائے جانے کے لئے ''عصمتِ بدلین'' کو شرط جوہری گردانا گیا ہے جب کہ مسلم و غیر مسلم کے معاملاتِ باہمی میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔

''عصمتِ بدلین'' کا مطلب یہ ہے کہ تبادلہ کے دونوں مال ایسے ہوں جن کے تحفظ کی ذمہ داری سلطانِ اسلام پر عائد ہوتی ہو، بلفظ دیگر وہ مسلمان، غیر مسلم ذمی اور غیر مسلم مستامن کے مال ہوں کہ سلطان اسلام معاہدہ کے رو سے انھیں کے اموال کے تحفظ کا ذمہ دار ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأماشرائط جريان الرّبا، فمنهاأن يكون البدلان معصومين فإن كان أحدهما غير معصومٍ لا يتحقق الرّبا عندنا۔ وعندأبى يوسف هذا لَيسَ بشرطٍ و يتحقق الرّبا۔

ربا یا سود کے پائے جانے کی ایک شرط یہ ہے کہ دونوں بدل معصوم ہوں اور اگر کوئی ایک بدل غیر معصوم ہو تو ہمارے نزدیک سود کا تحقق نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عصمت شرط نہیں لہذا سود متحقق ہوگا۔

وعلىٰ هذ الأصل يُخرَّج مااذادخل مسلمٌ دارالحرب تاجرًا فباع حربيا درهمًا بدرهمين أوغيرذلك من سائر البيوعِ الفاسدة فى حكم الإسلام أنّه يجوز عندأبى حنيفة و مُحمّدٍ[1]

اس اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان تجارت کی غرض سے دارالحرب میں گیا۔ اور اس نے کسی غیر مسلم سے ایک درہم دو درہم کے بدلے میں بیچا، یا اس کے ہاتھ کوئی بھی ایسی بیع کی جو اسلام کے نقطۂ نظر سے فاسد ہے تو یہ ساری بیعیں امام اعظم اور امام محمد رحمہا اللہ کے نزدیک جائز ہیں۔

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ص ۱۹۲ ج ۵

طحطاوی میں ہے:

والرّباأعمُّ من ذلك إذ يشمل ماإذا كان الدرهمان من جهة المسلم أومن جهةالكافر۔ وجواب المسئلة بالحل عام فى الوجهين۔ منح عَنِ الفتح۔ وقدتقدّم أنّ شرط الرّبٰوا عصمة البدلين جميعًا۔ اهـ[1]

ایک درہم کے بدلے دو درہم مسلمان دے، یا غیر مسلم، دونوں صورتوں کو ربا عام و شامل ہے یعنی دونوں ہی صورتیں ربا ہیں۔ اور مسلۂ مجوثہ میں حلت کا حکم بھی دونوں ہی صورتوں کو عام ہے۔ (منح بحوالہ فتح)۔ اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ سود کے پائے جانے کی شرط عصمتِ بدلین ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فى الشرنبلالية: ومن شرائط الربا عصمة البدلين، فعصمة أحدهما لا يَمنعُ اهـ ملخصا[2]

شرنبلالیہ میں ہے کہ ربا کے تحقق کی ایک شرط عصمتِ بدلین ہے تو کسی ایک بدل کا معصوم ہونا صحت بیع سے مانع نہ ہوگا۔

ان فقہاء کی دوسری دلیل ارشاد رسالت ''لاربابين أهل الحرب وأهل الإسلام'' ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم کے مابین سود کے تحقق کی مطلقاً نفی فرمائی گئی ہے۔

ان تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ زائد رقم اگر مسلمان کے ذریعہ غیر مسلم کو ملے تو سود کا لزوم فقہائے کرام کے درمیان مُختلف فیہ ہے لہذا اختلافِ علماء کی رعایت میں مسلمان کے لئے اس سے اجتناب کا حکم ہوگا۔ ویسے احتیاط کے پیش نظر خود میرا

[1] طحطاوی حاشیہ درمختار، ص ۱۱۲، ج ۳۔ اواخر کتاب الربٰوا۔

[2] ردالمحتار، ص ۱۹۶، ج ۴، اوائل کتاب الربٰوا۔

موقف اس باب میں وہ ہے جو مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کا ہے لہذا آئندہ کی گفتگو کا محور یہی ہوگا۔

اصولی احکام

ان مقدمات سے جو احکام واضح ہو کر سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) مسلمان مسلمان، یا مسلمان و ذمی، یا مسلمان و مستامن کے درمیان سود کا تحقق ہوگا۔ لہذا جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے جیسے انڈونیشیا، مصر، شام، عراق، پاکستان، افغانستان وغیرہ وہاں کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو کچھ زائد رقم ملے وہ سود ہے کہ قرض سے مشروط نفع کا حصول شرعی نقطۂ نظر سے سود کے ہی زمرے میں آتا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوت سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا۔ الّا یہ کہ یہ نفع قرض کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ شرکت، مضاربت، بیع عینہ وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہو۔

(۲) بین الاقوامی سطح پر دو مسلم حکومتوں کے درمیان اگر سودی قرض کے لین دین کا معاملہ ہو تو یہ بھی ناجائز ہوگا۔

مسلم ممالک

اس زمانے میں مسلم سلطنت کے نام سے جو ممالک جانے جاتے ہیں وہ میری معلومات میں یہ ہیں۔

ایشیا و افریقہ	ایشیا و افریقہ	ایشیا و افریقہ
۱۔ افغانستان	۱۶۔ قزاقستان	۳۱۔ سینی گال افریقہ
۲۔ ارمینیا	۱۷۔ کویت	۳۲۔ سیرالیون ”
۳۔ آذربائجان	۱۸۔ کرغستان	۳۳۔ صومالیا ”
۴۔ بحرین	۱۹۔ لبنان	۳۴۔ سوڈان ”
۵۔ بنگلہ دیش	۲۰۔ لیبیا (افریقہ)	۳۵۔ شام (سیریا)
۶۔ برونئی	۲۱۔ ملیشیا	۳۶۔ تجاکستان
۷۔ کوموریس	۲۲۔ مالی (افریقہ)	۳۷۔ ٹیونیشیا افریقہ
۸۔ ڈیجی باؤٹی	۲۳۔ مادریسٹنیا ”	۳۸۔ ترکی
۹۔ الجیریا (افریقہ)	۲۴۔ موراکو ”	۳۹۔ ترکمانستان
۱۰۔ مصر ”	۲۵۔ نائجیریا ”	**متحدہ عرب امارات**
۱۱۔ گیمبیا ”	۲۶۔ عمان	۴۰۔ ابوظہبی
۱۲۔ انڈونیشیا	۲۷۔ پاکستان	۴۱۔ دُبئی
۱۳۔ ایران	۲۸۔ فلسطین	۴۲۔ شارجہ
۱۴۔ عراق	۲۹۔ قطر	۴۳۔ عجمان
۱۵۔ اردن	۳۰۔ سعودیہ عربیہ	۴۴۔ اُمّ الکوئن

ایشیاوافریقہ	ایشیاوافریقہ	یورپ
۴۵۔ رأس الخیمہ	۵۳۔ اتھوپیا (افریقہ)	۶۱۔ البانیا
۴۶۔ فُجیرہ	۵۴۔ یگانڈا "	
۴۷۔ ازبکستان	۵۵۔ مال ڈیوس	
۴۸۔ یمن شمالی	۵۶۔ چاڈ (افریقہ)	
۴۹۔ یمن جنوبی	۵۷۔ گنی "	
۵۰۔ چیچینیا	۵۸۔ گنی بساؤ "	
۵۱۔ مالدیپ	۵۹۔ میڈگاسکر "	
۵۲۔ صحراوی عرب (افریقہ)	۶۰۔ موزامبک "	

افسوس کہ آج ہم اپنی کثرت کے باوجود بھی ذلت سے ہمکنار ہیں وجہ اتباع شریعت سے روگردانی ہے۔

طریق مصطفیٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

کاشکہ مسلمان اپنے سرچشمۂ اقتدار کی طرف پلٹ آتے۔

(۳) مسلمان اور غیر مسلم (جو ذمی ومستامن نہ ہو) کے درمیان کوئی معاملہ سود نہیں ہوتا جبکہ نفع مسلمان کو ملے، اور اگر نفع غیر مسلم کو ملے تو اس کا سود ہونا اختلافی ہے مگر ترجیح اسی کو ہے کہ وہ سود ہے۔

لہذا غیر مسلم حکومتوں کے بینک میں روپے جمع کرنے پر فکسڈ ڈپوزٹ یا سیونگ اکاؤنٹ وغیرہ کے ذریعہ سے جو کچھ اضافی رقم ملے وہ سود نہیں کہ یہاں بھی اگرچہ یہ اضافی رقم قرض کا ہی مشروط نفع ہے مگر یہ نفع گزشتہ بیان کے مطابق شرعی سود کے حدود سے باہر ہے۔

البتہ اس نفع کے جواز کے لئے شریعت نے ایک لازمی شرط یہ رکھی ہے کہ نفع کے حصول میں مسلمان کی طرف سے کسی قسم کی بدعہدی، دھوکا وفریب نہ ہو، اور غیر مسلم اپنی رضا وخوشی سے بلا جبر واکراہ نفع دے جیسا کہ فقہ اسلامی کے ماہر کامل امام ابن الہمام نے وضاحت کی۔ آپ رقمطراز ہیں:

وإنّما يحرم على المسلم إذا كان بطريق الغَدر، فإذالم ياخذ غدرًا فبأيِّ طريق ياخذه حلّ، بعد كونه برضاه[۱]

غیر مسلم کا مال صرف بدعہدی کے ذریعہ مسلمان کو حاصل کرنا حرام ہے، لیکن جب بدعہدی نہ ہو اور غیر مسلم راضی ہو تو اس کا مال جیسے بھی ملے لینا حلال ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قرض ونفع کے لین دین میں شرط کے یہ تقاضے پورے طور پر ملحوظ ہوتے ہیں، مسلمان کی طرف سے قرض کے دینے اور نفع کے حصول میں کوئی بدعہدی نہیں ہوتی، اور بینک اپنی رضا وخوشی سے ہی ایک طے شدہ در سے نفع دیتا ہے۔ لہذا اس نفع کے حصول کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں اور ٹھیک یہی حکم آج کی اُن عام بین الاقوامی اُدھار تجارتوں کا ہے جو مسلم اور غیر مسلم سلطنتوں کے درمیان انعقاد پذیر ہوتی ہیں جبکہ نفع مسلم حکومت کو ملے۔

ماضی قریب کے ایک عبقری فقیہ اور اسلامی قانون کے ماہر کامل امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں مختصر ومفصل بہت سے فتاویٰ ارقام فرمائے ہیں، ان کے دو فتوؤں کا اقتباس یہاں پیش کرتا ہوں۔

آپ سے سوال ہوا کہ:

"گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے، یا نہیں"

---

[۱] فتح القدیر ص ۱۷۸ ج ۱۔

تو آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"سود کی نیت سے لینا جائز نہیں، اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ اور شخص کا شرعاً کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلا شبہہ روا، یوہیں اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے، اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلا غدر و بدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے۔

اصل حکم یہ ہے۔ مگر اہل تقویٰ خصوصاً مقتدا کو ان دو صورتوں، خصوصاً اخیرہ سے احتراز چاہیئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے تہمت کی جگہوں سے بچو۔" [1]

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

"یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے غیر مسلم ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے، نہ مستامن اور جو غیر مسلم نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بدعہدی کے۔ کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔ اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے، جس عقد کے نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۰۵ ج ۷)

سود نہ سمجھنے کی قید اس لئے ہے کہ "جائز کام" بھی ناجائز سمجھ کر کرنا گناہ ہے جیسے دور سے ایک خاص طریقے اور ڈھنگ پر رکھے ہوئے کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر بری نگاہ سے دیکھنا گناہ ہے کہ یہ اپنے طور پر نافرمانیٔ خدا پر اقدام ہے۔

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۱۲۳

کھاتوں اور اسکیموں کے احکام

پچھلے صفحات میں بینک اور ڈاکخانے کے جتنے کھاتوں اور اسکیموں کا تذکرہ ہوا ہے یا ان کے مثل اور بھی جتنی اسکیمیں اور کھاتے ہیں ان سب میں۔ سوائے کرنٹ اکاؤنٹ کے۔ یہ امر قدرِ مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے کہ حکومت جمع کردہ روپے پر ایک طے شدہ در سے نفع دیتی ہے یہ الگ بات ہے کہ شرح نفع بچت کھاتے میں کم اور میعادی جمع کھاتوں میں زیادہ ہے

(۱) اور جیسا کہ واضح کیا گیا یہ نفع ہندوستان جیسے سیکولر اسٹیٹ اور دوسری غیر مسلم سلطنتوں میں ایک قسم کا مال مباح ہے جو اس کے مالک کی رضا سے بغیر کسی بدعہدی کے ملتا ہے وہ سود یا انٹرسٹ ہرگز نہیں لہٰذا اُسے حاصل کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز و درست ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ اسے لے کر مسلم فقراء پر تصدق کر دیں۔

(۲) ہاں مسلم سلطنتوں میں وہ نفع سود ہے کہ ارکانِ سلطنت مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلامی احکام کے مخاطب ہیں تو ان کے زیر انتظام بینکوں کے جمع شدہ سرمائے میں سود کا قانون جاری ہوگا اور ان بینکوں میں سرمایہ جمع کر کے اس پر نفع لینا، دینا حرام و گناہ ہوگا اِلّا یہ کہ وہ سرمایہ شرکت و مضاربت وغیرہ کے اصول کی رعایت کے ساتھ کسی تجارت میں لگایا گیا ہو۔

(۳) اور اگر حکومت کے ذمہ کھاتے دار کا کوئی حق ہے مثلاً وہ اپنی خدمات دینی یا قومی کی وجہ سے حکومت سے وظیفہ پانے کا حقدار ہے، یا اپنی عاجزی و بے سروسامانی کی وجہ سے یہ حق رکھتا ہے مگر اسے وظیفہ نہیں ملتا، یا حکومت نے اسے

قرض دے کر اس پر سود وصول کیا ہے تب تو ہر کھاتے دار گو وہ جس مذہب کا بھی ماننے والا ہو مسلم، غیر مسلم ہر طرح کی سلطنت سے نفع وصول کر سکتا ہے کہ یہ فی الواقع قرض پر نفع کا وصول نہیں، بلکہ اس ذریعہ سے اپنے حق ثابت کا حصول ہے لہذا اس صورت میں شرط یہ ہے کہ نفع پر قبضہ اپنے حق کی وصولی کی نیت سے کرے اور سود سمجھ کر تو کبھی نہ لے۔ یہ حل علمائے مانعین کے نزدیک بھی قابل عمل ہے۔ کتب فقہ میں یہ مسئلہ ''اَلظَّفرُ بِجِنسِ حَقِّہٖ'' کے نام سے موسوم ہے۔

(۴) علاوہ ازیں میعادی جمع کھاتوں میں روپے جمع کرنے پر ڈاک خانے ''پتر، یا سرٹیفیکیٹ وغیرہ'' کے نام پر جو قبالہ جات یا وثائق جاری کرتے ہیں ان میں جواز کی ایک راہ یوں بھی نکل آتی ہے کہ ارباب مال ''قرض کا معاملہ'' کرنے کے بجائے ''وثائق کے کاغذ کی خرید وفروخت'' کریں، یعنی روپے جمع کرتے وقت ہر ربُّ المال وثیقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہے کہ ''میں نے یہ کاغذ اتنے دام میں خریدا'' اور دام اتنا ہی بتائے جتنا وثیقہ پر درج ہے۔ پھر جب اس کی میعاد پوری ہو جائے تو یہ کہہ کر ڈاک خانے کے حوالہ کرے کہ ''میں نے اتنے دام میں یہ کاغذ بیچا'' اور دام اتنا ہی بتائے جتنا وصول ہوگا۔ ٹھیک یہی حل بینکوں کے وثائق کا بھی ہے۔

مگر یہ صورت بھی مانعین کے لئے جواز کا راستہ ہموار نہیں کر پاتی کیونکہ وثیقہ کی یہ خریداری اس شرط کے ساتھ ہوتی ہے کہ میعاد مقرر پوری ہونے کے بعد یہ بینک یا ڈاکخانے کے ہاتھ بیچے گا اور دام بھی پہلے ہی سے طے شدہ ہوتا ہے تو یہ ''بیع بالشّرط'' ہوگی جو فاسد ہے اور فساد کی وجہ وہی سود کا وجود ہے جو شرط کی وجہ سے یہاں بھی رخنہ انداز ہوتا ہے۔

کرنٹ اکاؤنٹ اس اکاؤنٹ کے کھاتہ داروں کو بینک سے کوئی نفع نہیں ملتا، بلکہ انھیں صرف اپنی جمع کردہ رقم واپس ملتی ہے اس لئے یہ مسلم، غیر مسلم ہر طرح کی سلطنت میں بلا شبہ جائز ہے جیسے کسی کو قرض دے کر اسے واپس لینا جائز ہے۔ اس عنوان پر مزید گفتگو ہم إن شاء اللہ العزیز تیسرے باب میں کریں گے۔

انٹرسٹ کے متعلق مالکی وشافعی وحنبلی مذہب

بینک اور ڈاکخانے سے ملنے والی زائد رقم (انٹرسٹ) کے بارے میں گزشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور بقیہ تین اماموں ۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رَحِمَھُمُ اللہ تعالٰی۔ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ جو بھی کاروبار اور مُعاہدہ مسلمان مسلمان کے درمیان سود ہوتا ہے وہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان بھی سود ہوتا ہے گو وہ غیر مسلم کسی سیکولر حکومت کا باشندہ ہو، یا غیر مسلم سلطنت کا، چنانچہ امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رَحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(قولہ: ولا بین المسلم والحربیّ فی دارالحرب، خِلافًا لِأبی یوسف و الشافعی) ومالکٍ، وأحمدَ ------- فلو باع مسلمٌ دخل إلیھم مُستامناً دِرھمًا بدِرھمَینِ حَلَّ، عندَ اَبی حنیفۃَ وَمحمّدٍ، خلافًا لأبی یوسف ومَن ذَکَرُنا اھ

غیر مسلم سلطنت میں وہاں کے غیر مسلم اور مسلمان کا کوئی معاملہ (امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک) سود نہیں، ان کے برخلاف امام ابویوسف وامام شافعی و

امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف یہ ہے کہ سود ہے۔۔۔۔لہٰذا اگر کوئی مسلمان غیر مسلم سلطنت میں امان (ویزا۔VISA) لے کر گیا اور وہاں کے کسی غیر مسلم کے ہاتھ دو درہم کے بدلے ایک درہم بیچ دیا تو یہ عقد امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال ہے اور امام ابو یوسف اور ائمہ ثلٰثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہے۔

(فتح القدیر مع شروح ثلٰثہ ہدایہ ص ۱۷۷ ج ۶۔اخیر باب الربا)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مذاہبِ اربعہ کی یہی ترجمانی فرمائی، وہ رقمطراز ہیں:

ویحرم الرّبا فی دارالحرب کتحریمہٖ فی دارالإسلام، و بہٖ قال مالک، والأوزاعی، وأبو یُوسُف، والشافعی، واسحٰق۔ وقال أبو حنیفة: لایجری الرّبابین مسلم و حربیّ فی دارالحرب اھ

سود غیر مسلم سلطنت میں حرام ہے جیسے دارُالاِسلام میں حرام ہے، یہی قول امام مالک، امام اَوزاعی، امام ابو یوسف، امام شافعی و امام اسحاق کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ غیر مسلم سلطنت میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان سود کا قانون جاری نہیں ہوتا۔

(المُغنی، لابن قدامہ الحنبلی ص ۴۵،۴۶،۴۷، ج ۴، مکتبۃ الریاض الحدیثہ)

امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں خود اپنا مذہب یہ بیان فرمایا:

یجری الرّبا فی دارالحرب، جریانَہ فی دارالإسلام، سواء فیہ المسلم و الکافر اھ

سود کا قانون غیر مسلم سلطنت میں بھی جاری ہوتا ہے جیسا کہ دارالاسلام میں جاری ہوتا ہے، اس بارے میں مسلمان اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ص ۳۹۷ ج ۳)

ان فقہی شواہد سے یہ امر بخوبی واضح ہو کر سامنے آیا کہ جو غیر مسلم ذِمّی یا مُستامِن نہیں ہیں، بلفظ دیگر کسی سیکولر حکومت یا غیر مسلم سلطنت میں بود و باش رکھتے ہیں ان سے مسلمانوں کا معاہدہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک سود کے عمل دخل سے پاک سمجھا جائے گا، اور ائمہ ثلٰثہ۔۔ امام مالک، و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔۔ کے نزدیک یہاں بھی سود کا قانون جاری ہوگا۔

اس اختلاف کا اثر کاروبار پر اتنا گہرا پڑتا ہے کہ جو کاروبار امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جائز قرار پاتا ہے وہ ان تین اماموں کے نزدیک ناجائز و گناہ قرار پاتا ہے اس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

(۱) سیونگ بینک اکاؤنٹ، فِکس ڈپوزٹ، کیومولیٹیو ڈپوزٹ، سی.ڈی.آر، آر.ڈی، منتقلی ڈِپوزٹ اسکیم، ریکرنگ ڈپوزٹ، جی.پی.ایف.، جی.آئی.ایس.۔ ان تمام کھاتوں اور اسکیموں میں روپے جمع کرکے، یا تنخواہ سے وضع کرا کے نفع حاصل کرنا تینوں اماموں کے نزدیک حرام و گناہ ہے کہ یہ سود ہے مگر امام اعظم کے نزدیک وہ مال مباح ہے کہ وہ اسے سود نہیں گردانتے۔

(۲) ''کرنٹ اکاؤنٹ'' اس کے کھاتہ دار کو بینک صرف اصل جمع شدہ رقم واپس کرتا ہے، اسے کوئی نفع نہیں دیتا، بلکہ بسااوقات اپنی خدمت کے عوض کچھ معاوضہ بھی وصول کرتا ہے۔ یہ چاروں اماموں کے نزدیک جائز ہے کہ اس میں کہیں سے سود کی گرد اُڑتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

(۳) ڈاکخانوں کے سیونگ اکاؤنٹ (بچت کھاتہ) اور فکس ڈپوزٹ کا حکم بھی وہی ہے جو بینکوں کے بچت کھاتہ اور فکس ڈپوزٹ کا ہے کہ ان کا نفع ائمۂ ثلٰثہ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔

(۴) این.ایس.سی، کسان وکاس پتر، اندرا وکاس پتر، منتقلی انکم اسکیم۔۔ ان اسکیموں سے نفع حاصل کرنا تینوں اماموں کے مذہب پر سود اور حرام وگناہ ہے اور امام اعظم کے مذہب پر جائز ومباح۔

اجازت کی ایک راہ سوائے کرنٹ اکاؤنٹ کے سارے ہی کھاتوں اور اسکیموں میں جمع روپے پر نفع ملتا ہے اور یہ نفع ائمۂ ثلٰثہ کے نزدیک سود ہے البتہ ایک صورت میں یہ نفع سود نہ ہوگا وہ یہ ہے کہ کھاتہ دار کا کوئی حق مقامی حکومت کے ذمہ آتا ہے مثلاً یہ خادمِ علمِ دین ہے اور حکومت اسے کوئی وظیفہ نہیں دیتی یا اس نے حکومت سے قرض لیا تھا جس پر اسے سود دینا پڑا تھا تو یہ بینک کا وہ نفع اپنے حق کی وصولی کی نیت سے لے سکتا ہے یہ جائز ہے کہ اپنا حق وصول کرنا سود نہیں۔

اور اس کے علاوہ صورت میں بھی نفع بینک میں نہ چھوڑے بلکہ اسے وصول کر کے مُسلم فقراء کو دیدے خواہ وہ حنفی ہوں، یا شافعی یا مالکی یا حنبلی۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک یہ نفع فقراء کو دینا صرف بہتر ومندوب ہے اور بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک واجب ولازم کہ ان کے مقلدین کے حق میں وہ مال خبیث ہے۔

دوسرا باب

تجارت وغیرہ کے لئے
قرض کی فراہمی

تجارت وغیرہ کے لئے قرض کی فراہمی

بینک کا دوسرا بنیادی کاروبار یہ ہے کہ وہ عوام کو چھوٹی یا بڑی تجارت، زراعت و دستکاری کے وسائل، جدید طبی آلہ جات، ذرائع نقل وحمل (مثلاً ٹرک، بس، ٹیمپو، ٹیکسی، ٹریکٹر، موٹر سائیکل) مکانات کی تعمیر، وغیرہ کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق حسب ضرورت قرض دیتا ہے اور اس پر ایک مقررہ در سے سود بھی لیتا ہے۔ یہ قرضے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) کیش کریڈٹ (C.C.)

یہ ایک مخصوص نوعیت کا قرض ہے جو صرف تاجروں کو ملتا ہے اس پر انھیں ایک مقررہ شرح سے سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) اُورڈرافٹ۔ (OVERDRAFT) یہ قرض دوطرح کا ہوتا ہے۔

(ا) کلین اُورڈرافٹ۔ (CLEAN OVERDRAFT)

(ب) ڈاکومینٹری اُورڈرافٹ (DOCUMENTARY OVERDRAFT)

یہ قرض صنعت کاروں اور تاجروں کے لئے ہوتا ہے جو سود کی شرط پر انھیں دیا جاتا ہے۔

(۳) آئی، آر، ڈی، پی۔ (I.R.D.P.)

اِنٹی گرَیٹڈ رُورَل۔ ڈیولپمنٹ۔ پروگرام

یہ قرض گاؤں میں رہنے والے ایسے لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غریبی کی سطح (معینہ حد) سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں اس میں حکومت کی طرف سے

پست اقوام کے لئے پچاس فیصد (۵۰%) اور دیگر اقوام کے لئے تینتیس فیصد (۳۳%) چھوٹ ملتا ہے۔ چھوٹ کی رقم پر کوئی سود نہیں البتہ اس کے سوا بقیہ رقم پر عام قرضوں کی شرح سے سود لازم ہوتا ہے۔

(۴) سیُومے۔۔ SUME

یہ قرض شہر کے غریب مسلمانوں کے لئے ہوتا ہے اس پر حکومت کی طرف سے ۳۳ فیصد چھوٹ ملتا ہے باقی ۶۷ فیصد پر انھیں بھی سود دینا پڑتا ہے۔

(۵) پردھان منتری روزگار یوجنا۔۔ (P.M.R.Y.)

یہ قرض شہر کے تعلیم یافتہ جوانوں کو ملتا ہے اس پر چھوٹ ۴۰% فیصد ہے بقیہ ۶۰ % قرض سودی ہوتا ہے۔

ان تمام قرضوں میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر موجود نظر آتی ہے وہ سود کی منحوس و تباہ کن شرط ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا[1]۔

---

[1] جو حکم بینک کے سودی قرضوں کا ہے، ٹھیک وہی حکم ان قرضوں کا بھی ہے جو لوگ نجی طور پر باہم لیتے دیتے ہیں اور اس کی بھی کئی شکلیں ہیں۔ مثلاً

(۱) ایک شخص کسی مہاجن یا سرمایہ دار سے سود کی شرط پر روپے قرض لے اور سود دے

(۲) کسی دوکان سے کوئی سامان لے اور اس پر سود دے۔

(۳) روپے قرض دے کر مقروض کی زمین رہن کے نام پر لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا یہ بھی سود ہے۔

(۴) سامان اس طور پر بیچے کہ دام اگر نقد دو تو سامان اتنے کا، اور ادھار لو تو اتنے کا۔

(۵) کٹوتی یا بٹہ کے ساتھ چیک لے کر روپئے کی ادائیگی۔

(۶) مسلم مالیاتی اداروں کا اس شرط کے ساتھ قرض دینا کہ قرض لینے والا ادارے کا فارم ''قرض نامہ'' مقررہ دام پر خریدے پھر ہر تین ماہ پر ایک نیا فارم خریدتا رہے جب تک کہ پورا قرض نہ ادا کردے۔ ۱۲ منہ

اس کی نگاہ میں مسلمان کو کسی بھی فرد، انجمن، یا بینک سے اس طرح کا سودی قرض لینا حرام د گناہ ہے۔قرآن حکیم میں بڑی سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے روکا گیا ہے۔جیسا کہ ذیل کی آیات واحادیث سے اندازہ ہوگا۔

يٰاَيُّهَاالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوا فَاذَ نُوۡ ا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسولِهٖ[1]

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر مسلمان ہو، پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

قیامت کے روز سودخواروں کے حال زار کی منظر کشی یوں کی گئی۔

اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَاالۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا[2]

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط بنادیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

اسی آیت میں سودخواروں کو یہ وعید بھی سنائی گئی۔

وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝ يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ[3]

اب جو ایسا کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے اللہ سود کو ہلاک کرتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔

۱۔ القرآن الحکیم، ۲۷۸، ۲۷۹، بقرہ ۲۔
۲۔ القرآن الحکیم ۲۷۵، بقرہ ۲۔
۳۔ ایضا

ان آیات سے مسلم ممالک کے بینکوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئیے جو سود کا کاروبار کرتے ہیں، ساتھ ہی عامۂ ممالک کے مسلمانوں کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئیے جو بلا حاجت شرعیہ سودی قرض لینے میں کوئی تأمل نہیں کرتے۔ آیہ کریمہ: حَرَّمَ الرِّبٰوا، اور یمحق اللّٰہ الرِّبٰوا اپنے اطلاق کے لحاظ سے سود لینے اور دینے دونوں کو ہی عام ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنۡ زَادَ، اَوِاسۡتَزَادَ فَقَدۡ اَرۡبىٰ، اَلۡاٰخِذُو الۡمُعۡطِى فِيۡهِ سَوَاءٌ۔

زیادہ دینا بھی یقیناً سود ہے اور زیادہ لینا بھی یقیناً سود ہے لینے والے اور دینے والے سب برابر ہیں۔[1]

اب ساتھ ہی ساتھ نزولِ قرآن کے زمانہ کے معاشی حالات کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیجئے تا کہ آج کے حالات پر ان آیات کا انطباق بخوبی عیاں ہو جائے۔

حجۃ الاسلام امام ابوبکر جصّاص رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

والربا الذی کانتِ العرب تعرفه و تفعله' اِنّما کان قرض الدّرا هم والدّنا نیرالیٰ أجل بزیادة علیٰ مقدارِ مااستقرَض علیٰ مایتراضون به---
هذاکان المتعارف المشهور

اہل عرب جس چیز کو سود سمجھتے تھے اور جسے باہم برتتے تھے وہ صرف یہ تھا کہ درہم (چاندی کا روپیہ) و دینار (سونے کا روپیہ) ایک معین میعاد تک کیلئے قرض دیتے اور باہمی رضامندی سے اس پر ایک اضافہ طے کرلیتے۔عربوں میں یہی قرض والا سود مشہور و متعارف تھا۔ تو

۱۔ صحیح مسلم شریف ص: ۲۵، ج ۲ باب الربوٰا۔

بینھم ---

فَاَبْطَلَ اللّٰہُ تعالیٰ الرِّبَا الَّذِی کانُوا یتعامَلونَ بہ، وأبطل ضروبًا اُخرَ مِن البیاعات وسمّاھاربا۔ [1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے سودی کاروبار کو باطل فرمادیا، اور ساتھ ہی خرید و فروخت کی کچھ قسموں کو بھی سود قرار دے کر باطل فرمایا۔

یہ انکشاف بہت واضح طور پر اس بات کو نمایاں کر رہا ہے کہ عہد جاہلیت یا "قرنِ اسود" میں سودکاری کا جو "معاشی نظام" رائج تھا وہ سب کچھ آج کے عہدِ تمدن و "قرنِ منوّر" میں بڑے عظیم پیمانے پر بینکوں کی دنیا میں بھی رائج ہے۔ فرق یہ ہے کہ قرنِ اسود میں یہ کاروبار سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں تھا، اور آج اس کی باگ ڈور حکومتوں کے ہاتھوں میں بھی ہے۔ عہد جاہلی میں انسان عمومًا غربت و افلاس کی وجہ سے سود کے شکنجہ میں آتا تھا اور عہد تمدن میں قانون کا دباؤ بھی اسے سود لینے پر مجبور کرتا ہے۔ ع

"روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں"

قرآن حکیم نے دُنیا والوں کو سب سے پہلے اسی سودکاری سے روکا تھا لہذا آج کی بینکنگ سودکاری پر بھی بجا طور پر اس کا اطلاق ہوگا۔ بلفظ دیگر سودی قرض عہد جاہلی کا ہو، یا عہد تمدن کا وہ بہرحال اسلام میں حرام ہے، اور حرام رہے گا۔

جیسا کہ مقدمۂ رابعہ میں بیان ہوا مسلمان احکام الٰہیہ کا مخاطب ہے اس لئے علماء کے ایک طبقہ کا موقف یہ ہے کہ اس کے مال میں سود کا تحقق ہوگا لہذا مسلمان کے لئے سود کی شرط پر کسی بھی فرد یا مالیاتی ادارے سے قرض لینا حلال نہیں۔

[1] احکام القرآن ص ۴۶۴، ۴۶۵، ج ۱۔

انکم ٹیکس کی مجبوری

فروغِ معاش کے بہت سے وسائل و ذرائع کی فراہمی یا خریداری کے سلسلے میں انکم ٹیکس (INCOME TAX) کی ناگریز دشواری سامنے آتی ہے جس سے بچنے کی ایک راہ بینک سے سودی قرض کا حصول ہے اب ہمارے لئے تین راستے ہیں۔

یا تو بینک سے قرض کا تعاون لئے بغیر ہم فروغِ معاش کے وسائل مہیّا کریں۔ تو یہ انکم ٹیکس کے یقینی اور مہیب خطرات کو دعوت دینا ہوگا۔ جس کے "سایۂ کرم" میں عام انسان کبھی پنپ نہیں سکتا، بلکہ عام حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں "بائی پاس" سے بھاری رشوت کے ذریعہ اس سے بچ نکلنا ممکن ہے لیکن یہ کوئی محفوظ گزرگاہ نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بینک سے سودی قرض کا تعاون لے کر انکم ٹیکس کے خطرات سے یقینی تحفظ حاصل کر لیا جائے۔ یہ ذریعہ ہماری معاشی ترقی کی راہ میں کوئی زیادہ خلل انداز نہ ہوگا لیکن دوسری طرف ایک طبقۂ علماء کے نزدیک سودکاری کا ارتکاب لازم آئے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ "قلت شعار" بن کر معاشی ترقی کی تگ ودو سے کنارہ کش ہو جائیں تا کہ ہماری حالتِ زار اور زیادہ خستہ سے خستہ تر ہوتی جائے اور ہم غیروں کے دست نگر ہو کر یوں رہ جائیں کہ اپنے آپ کو ان کے رحم وکرم کے حوالے کر دیں۔

آپ ہماری اس بات سے حیرت زدہ نہ ہوں، کیونکہ اگر تمام مسلمان اسی قلت شعاری کے پیکر مجسم بن جائیں تو یقیناً مادی وسائل کے لحاظ سے ہماری حیثیت صفر سے بھی کم تر ہوگی جس کے نتیجے میں تعلیمی، ثقافتی، سیاسی انحطاط لازمی ہوگا، بلکہ

یہ انحطاط وزوال اپنے نقطۂ انتہا کو پہونچ جائے گا۔ پھر بھی ہم دوسروں کے محکوم اور "مرحوم" نہ ہوں گے تو کیا ہوں گے؟ اسلام کبھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔

ان حالات میں فکری توانائی سخت کشمکش میں مبتلا ہے کہ اب آخر کون سی "راہِ نجات" اختیار کی جائے؟

اسلام کے اصولوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسے کشمکش کے ماحول میں بھی اپنے ماننے والوں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا، بلکہ ان کی سچی رہنمائی کر کے انھیں بروقت سنبھالا دیتا ہے۔ چنانچہ اس پیچیدہ صورت حال کے لئے بھی اس نے ہمارے لئے یہ رہبر اصول وضع کیا ہے کہ:

مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ یختار أھوَ نَھُمَا (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۲)
جو دو بلاؤں میں گھر جائے وہ ان میں سے ہلکی وکم تر بلا کو اختیار کرے۔

اور جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہم تین تین بلاؤں سے دوچار ہیں۔

(۱) انکم ٹیکس کے تقریباً یقینی خطرات

(۲) مختلف فیہ سود سے آلودگی۔

(۳) معاشی زبوں حالی اور حد درجہ تعلیمی وثقافتی وسیاسی انحطاط۔

ان سب میں معتدل نیز محفوظ راہ یہ ہے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بینک سے قرض لے کر اپنی معاش کو مضبوط بنایا جائے۔ اس کے برعکس دوسری راہوں میں یہ اعتدال نظر نہیں آتا کیونکہ شریعت کی خلاف ورزی براہ راست یا بالواسطہ تو ہر جگہ ہے جب کہ انکم ٹیکس اور اس کے متعلقات کے نفاذ کی صورت میں جو معاشی بربادی ہوگی، اور قلت شعاری کے نتیجے میں جو اِدبار آئے گا ان سے قرض کے مختلف فیہ سود کا کوئی مُوازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

پہلی اور آخری صورتوں میں شریعت کی خلاف ورزی بایں طور ہوگی کہ ان کا التزام ایک طرح سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے گو وہ ہلاکت جس نوع کی بھی ہو۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔[1]
اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت کی تشریح یہ کی گئی ہے:

"راہِ خدا میں اِنفاق کا ترک بھی سبب ہلاک ہے، اور اسراف بیجا بھی، اور اسی طرح اور چیز بھی جو خطرہ و ہلاک کا باعث ہو ان سب سے باز رہنے کا حکم ہے۔ حتّٰی کہ بے ہتھیار میدانِ جنگ میں جانا، یا زہر کھانا، یا کسی طرح خودکشی کرنا۔ علماء نے اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ جس شہر میں طاعون ہو وہاں نہ جائیں۔ اگرچہ وہاں کے لوگوں کو وہاں سے بھاگنا ممنوع ہے"۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ آیتِ کریمہ دونوں مذکورہ بلاؤں کو بھی عام ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنَّ اللّٰهَ کرِہ لکم قیل و قال، و کثرۃ السُّؤال، وإضاعۃ المال۔[2]
بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے مکروہ رکھتا ہے فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اضاعت وبربادی۔

علاوہ ازیں فقہ اسلامی کا ایک اصول یہ ہے کہ:

دَفعُ الرّشوۃِ لدفع الظُّلمِ اَمرٌ جائزٌ۔[3]
ظلم ٹالنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے۔

---

[1] ۱۹۵، بقرہ ۲۔

[2] صحیح بخاری وصحیح مسلم۔

[3] الہدایۃ ص ۲۲۹ ج ۳۔

تو انکم ٹیکس وغیرہ کی بلا ٹالنے کے لئے یہ سودی قرض (جومختلف فیہ ہے) لینا بھی جائز ہونا چاہئے کہ سودی قرض کی طرح سے رشوت بھی لینا دینا حرام ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر انکم ٹیکس کے ضرر اور اس کی تباہ کاری سے بچنے کی ضرورت، نیز مفسدۂ مظنونہ کے ازالہ کے لئے بینک سے سودی قرض لینا میری نگاہ میں جائز ہے کیونکہ یہ فی الواقع اپنے مال کو ضیاع سے بچانا ہے، بلفظِ دیگر ضررِ اشد سے تحفظ کیلئے ضرر اخف کا ارتکاب ہے کیونکہ بینک سے قرض لے کر انٹرسٹ دینا بھی اپنے حق میں ضرر ہے، اور اپنی دولت کا بیش بہا حصہ انکم ٹیکس کی ادائیگی میں صرف کرنا بھی ضرر ہے لیکن انکم ٹیکس کا ضرر عام حالات میں انٹرسٹ کے ضرر سے زیادہ ہے لہذا ضرراشد سے نجات حاصل کرنے کیلئے ضرر اخف کے ارتکاب کی اجازت ہوگی۔ اشباہ میں ہے:

لو كان احدُهما اعظم ضررًا يُزال بالأخفّ (ص ۱۱۱)

دو ضرر ہوں! ایک سخت، دوسرا ہلکا، تو ہلکا ضرر اختیار کر کے سخت ضرر کو دور کرے۔

اشباہ میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ وَهُمَا مُتَسَاوِیَتَانِ یاخُذُ بِاَیَّتِهِمَا شاءَ وَاِنِ اخْتَلَفَا یختارُ اَهْوَنَهُمَا۔ (ص ۱۱۲)

جو شخص دو بلاؤں میں پھنس جائے اور دونوں ایک ہی درجے کی ہوں تو دونوں میں سے جسے چاہے اپنالے۔ اور اگر ایک بلا ہلکی اور دوسری بڑی ہو تو ہلکی کو اپنائے۔

لیکن اگر کسی شخص نے اپنی کوتاہی کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں اتنی زیادہ دیر کر دی کہ اس پر عائد ہونے والا انٹرسٹ سود در سود ہو کر انکم ٹیکس کی مقدار سے زیادہ ہو گیا تو یہ ناجائز وحرام ہو گیا کہ یہ ضررِ اَخف کو چھوڑ کر ضررِ اَشد کو اپنانا ہوا۔

لہذا مقروض پر لازم ہے کہ وہ امکانی حد تک جلد سے جلد قرض ادا کر دے تا کہ کم سے کم سود ادا کرنا پڑے۔

پھر یہ اجازت بھی صرف انہیں لوگوں کے لئے ہے جنھیں انکم ٹیکس کا خطرہ ہو، اور جو لوگ اس خطرے کے نشان سے باہر ہیں ان کے لئے اجازت نہیں۔

چھوٹ والے قرضوں میں اجازت کی گنجائش جن قرضوں پر حکومت کی طرف سے ۳۳% یا ۴۰% فیصد چھوٹ ملتی ہے ان میں اگر ایک شرط کی پابندی کر لی جائے تو اجازت کی گنجائش نکل سکتی ہے اور اس کے لئے دو راستے ہیں۔

اجازت کا پہلا راستہ سب سے اَسلم راستہ یہ ہے کہ بینک سے جو چھوٹ مل رہی ہے اسے منظور کرے اور ساتھ ہی یہ نیت بھی رکھے کہ بقیہ قرض پر بینک اس سے جو انٹرسٹ وصول کرے گا، یا وصول کر چکا ہے یہ اسی کے بدلے میں ہے۔ مذہب اسلام نے سود لینا بھی حرام کیا ہے اور دینا بھی، اس لئے اگر کسی مسلمان سے کسی بھی فرد یا تنظیم نے سود لے لیا تو اس پر اُتنی مقدار مسلمان کا حق لازم ہو جاتا ہے تو مسلمان چھوٹ کو اپنے اُسی حق کی وصولی سمجھے اور چھوٹ کا جو حصہ اس کے حق سے فاضل بچے اسے حکومت (بینک) کا عطیہ جانے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اور جب لینے والے کا دینے والے پر کوئی مطالبۂ شرعیہ آتا ہو کہ وجہِ صحیح شرعی کے نام سے نہ مل سکتا ہو جب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے۔ جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ اور مسلمان وغیر مسلمان کسی کا فرق نہیں رہتا، درمختار میں ہے: لَوامتنعَ المدیونُ بدینٍ، اَخَذَها، لِکَونِهٖ ظَفَرَ بجنس حقِّهٖ" اھ[1]

---

[1] فتاوی رضویہ، کتاب الاجارہ ص ۱۸۴ ج ۸، سنی دارالاشاعت مبارک پور

اجازت کا دوسرا راستہ | یہ ہے کہ مقروض کوشش کرے کہ اس کے ذمہ جتنے قرض کی ادائیگی واجب ہے اسے جلد سے جلد ادا کردے اور اتنی دیر ہرگز نہ کرے کہ قرض پر بنام انٹرسٹ جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ بڑھتے بڑھتے چھوٹ کی رقم سے زیادہ ہو جائے کہ یہ زیادت ہی حقیقت میں سود ہے۔

مگر یہ حل وہاں مفید ہوگا جہاں مقررہ قسطوں کی ادائیگی کے بعد چھوٹ ملے۔ مثلاً کچھ قسطوں کی ادائیگی کے بعد چھوٹ کی محفوظ رقم سے بقیہ قرض کو بے باق کیا جائے۔ اور اگر قسطوں کی ادائیگی سے پہلے ہی چھوٹ نافذ ہوجائے تو پھر اس راستے سے بھی سود کی آلودگی سے دامن کو نہیں بچایا جا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ چھوٹ (قرض کا کچھ حصہ معاف کر دینا، جسے فقہ کی اصطلاح میں "اِبْرَاء" کہا جاتا ہے) کی شرعی حیثیت ہِبَہ و تملیک کی ہے اس لئے چھوٹ ہو جانے کے بعد مقروض اُتنی مقدار کا خود مالک ہو جاتا ہے اور اس کے ذمہ قرض صرف اتنا ہی رہ جاتا ہے جتنا چھوٹ کے بعد باقی بچا ہے یعنی وہی اب اصل قرض ہے اور اسی پر اس کو انٹرسٹ دینا ہے اور قرض پر انٹرسٹ دینے کا نام ہی سود ہے، اگرچہ اس کا بھی شرعی حل نکل سکتا ہے مگر عوام کے لئے اس پر عمل دشوار ہے اس لئے اَسلم طریقہ وہی پہلا ہے، یا یہ کہ پہلے سے دریافت کر کے اطمینان حاصل کر لے کہ قرض پر چھوٹ مقررہ قسطوں کی ادائیگی کے بعد ملے گی تو یہ دوسرا طریقہ بھی بلا دغدغہ اختیار کر سکتا ہے۔[1]

[1] انکم ٹیکس کی مجبوری اور چھوٹ کی صورت میں بینکوں سے قرض لینے کے سلسلے میں اس بے مایہ نے جو موقف اختیار کیا ہے اب وہی موقف فقہائے اہل سنت و جماعت کا بھی ہے کیونکہ اوائلِ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فیصل بورڈ نے باتفاق رائے اس باب میں یہی فیصلہ صادر کیا ہے جو اسی کتاب کے "آغازِ سخن" صفحہ ۱۰ میں منقول ہے۔

فیصل بورڈ کے علماء یہ ہیں:

★ جانشین حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ و مولانا مفتی اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری دام ظلہ العالی، بریلی شریف۔

★ فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی مفتیٔ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف۔

★ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور

فیصل بورڈ کے اس اہم اجلاس کی بحثوں اور قراردادوں میں ایک بہت ہی جلیل القدر شخصیت بھی برابر کی شریک رہی، یعنی نائب مفتیٔ اعظم، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ (۶ رصفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱ رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کو حضرت کا وصال ہوگیا رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔)

اور استفادہ کی غرض سے یہ بے مایہ راقم سطور بھی حاضر اجلاس تھا۔

ایک ضروری وضاحت | آج کے زمانے میں تعلیمی، ثقافتی و سیاسی میدانوں میں دوسری اقوام کے دوش بدوش چلنے یا کم از کم اپنا وقار محفوظ رکھنے کے لئے معاشی استحکام ضروری ہے اور یہ شرعاً کوئی معیوب امر بھی نہیں۔ ارشاد رسالت ہے:

لاباس بالغنی لِمَنِ اتقی اللّٰہ عَزَّ و جَلّ۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۱)

جو شخص اللہ عز وجل سے ڈرے اس کے لئے مالداری میں کوئی حرج نہیں۔

خیر القرون کے ایک مشہور فقیہ حضرت امام ابوسفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ المَالُ فیما مضیٰ یُکْرَہُ فأما الیوم فھو ترس المومن وقال: لولاھٰذِہٖ الدنانیر

اب سے پہلے (عہد رسالت و عہد صحابہ میں) مال کو ناپسند کیا جاتا تھا لیکن اب تو مال مومن کی ڈھال ہے۔ اگر آج یہ درہم و دینار

لَتَمَنْدَلَ بناھٰؤلاء الملوک

وقال: من کان فی یدہٖ من ہذہٖ شئیٌ فلیصلحه فانه' زمان ان احتاج کان أولُ من یبذل دینه'۔ (مشکوٰۃ ۴۵۱ باب إستِحْبَابَ المال)

ہمارے پاس نہ ہوتے تو یہ بادشاہ ہمیں اپنا رومال بنا لیتے (کہ اپنی خواہش کے مطابق ہمیں بیجا استعمال کرتے) جسکے پاس کچھ درہم و دینار ہو وہ اسے تجارت وغیرہ میں لگا کر بڑھائے کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر آدمی محتاج ہو جائے تو وہ سب سے پہلے اپنا دین بیچ دے گا۔

یہ دور تابعین کے بارے میں امام ثوری کا تاثر تھا تو آج کے دور پر یہ تاثر ضرور صادق آئے گا۔ اسی کے پیش نظر ہم نے "معاشی زبوں حالی" کو ایک بلا شمار کیا ہے۔ ۱۲ منہ

کچھ الگ نام کے قرضے | ابھی آپ جس قرض کے اقسام و احکام کا مطالعہ کر رہے تھے یہ وہ قرض ہیں جنھیں قرض کے نام اور عنوان سے ہی دیا اور لیا جاتا ہے لیکن یہاں کچھ اور بھی خاص قسم کے قرضے ہیں جنھیں "قرض" کا نام اور عنوان نہیں دیا جاتا لیکن شرعی نقطۂ نظر سے ان کی حقیقت قرض ہی قرار پاتی ہے وہ یہ ہیں: ہُنڈی کا بٹہ، بل کا بٹہ، چیک اور پُرجی کا لین دین، کریڈٹ کارڈ۔ اب ہم ہر ایک کی ترتیب وار کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

ہُنڈی[۱] اور بلوں کا بٹہ | بینک کا ایک کام یہ ہے کہ وہ ہنڈی اور بلوں کو ان کے

---

۱ ھنڈی (Hundi) کو فارسی میں سُفتہ اور عربی میں سُفتَجہ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا تحریری حکم نامہ ہے جسمیں مقروض فرد یا ادارہ دوسرے شہر کے کسی بینک، فرم، یا فرد کو لکھتا ہے کہ وہ حامل رقعہ کو آئندہ فلاں تاریخ کو اتنے روپے ادا کردے۔ ماہر معاشیات ڈاکٹر محمد عارف خاں استاذ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے

"بلوں سے ہی ملتی جلتی سکارنے کے قابل دستاویز ہُنڈیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہُنڈی حقیقت میں ہندوستانی بل آف اِکسچینج ہے جس کا استعمال ہندوستانی مہاجن اور تاجر کرتے ہیں۔ ہُنڈی اور بل دونوں اندر طلب، یا میعادی ہوتے ہیں، دونوں پر ٹکٹ ایک طرح کے لگتے ہیں دونوں کمیشن کے عوض بھنائے جاسکتے ہیں، دونوں کی منتقلی ہوسکتی ہے، دونوں میں مہلت کے دن ملتے ہیں۔ ہُنڈی مختلف اقسام کی ہوتی ہے"۔ (جدید طریقۂ تجارت ص ۷۴۰، ۷۴۱ ج ۱)

بل۔ اس کا تعارف ڈاکٹر محمد عارف خاں نے یوں کرایا ہے۔

"بل آف اکس چینج (Bill of Exchange) کے ذریعہ رقم ادا کرنے کا طریقہ موجودہ تجارتی دنیا میں بہت مقبول ہے ایک بل آف اکس چینج ایک شخص یا فرم کا کسی دوسرے شخص یا فرم پر غیر مشروط تحریری حکم نامہ ہوتا ہے کہ وہ لکھی ہوئی رقم ایک مدت کے بعد، یا اندر طلب اس کو یا اس کے حکم کے مطابق کسی اور کو دیدے۔ =

بھنائے جانے کے وقت سے پہلے بھنا دیتے ہیں لیکن ان پر تحریر شدہ رقم سے کچھ اپنے لئے وضع کر لیتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ یہ وضع شدہ رقم بھی سود ہی ہے معاشیات کی ایک درسی کتاب ''ارتھ شاستر کی روپ ریکھا'' میں بھی اس کا تعارف اسی نام سے کرایا گیا ہے جیسا کہ اس کے مصنفین رقمطراز ہیں:

''بینک کا بٹہ ایک پرکار سے اس کے روپے پر سود ہے جو بینک بل کا بٹہ کرانے والے کو بل کو بھگتان کے سمے سے پہلے ہی دیدیتا ہے''۔[1]

معاشیات کی مستند کتاب جدید طریقۂ تجارت میں ہے:

''بل خریدنے (بھنانے) کا کام بینک اور بل کے دلّال کرتے ہیں، یہ بل کی رقم میں سے واجب الادا تاریخ سے قبل تھوڑی سی سود کی رقم کاٹ کر بل کے مالک کو نقد دیدیتے ہیں یا اس کے کھاتے میں جمع کر دیتے ہیں۔ کاٹی ہوئی رقم چھوٹ (Discount) کہلاتی ہے بل کو اس طرح فروخت کر کے رقم حاصل کرنے کو ''بل کا بھنانا'' کہتے ہیں۔ کمیشن کی رقم بل بھنانے سے واجبُ الادا تاریخ تک کے عرصہ پر مقررہ شرح سے نکالی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک بل ایک ہزار روپے کی رقم کا تین ماہ کی مدت کا ہے جس کو ۴ر فیصدی سالانہ کمیشن سے بھنایا گیا تو بینک ۱۰ر روپے لے کر ۹۹۰ر روپے تاجر کو

= بل کی خصوصیات: (۱) بل تحریری ہوتا ہے (۲) بناشرط ہوتا ہے (۳) اس میں روپیہ کی ادائیگی کا حکم ہوتا ہے (۴) بل کی رقم مقررہ ہوتی ہے (۵) ادائیگی کی تاریخ مقررہ ہوتی ہے (۶) اس میں بل لکھنے والے کے دستخط ہوتے ہیں (۷) بل منظور کرنے والے کو ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے''۔

(جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۲۵ ۷ ج ۱) ۱۲ ن

[1] آرتھ شاستر کی روپ ریکھا، ص ۱۷۳۔ (انٹرمیڈیٹ کی درسی کتاب)

دیدے گا، یعنی ایک ہزار روپیہ پر ۴ر فیصدی سے سود ۴۰ر روپے سال بھر کا ہوا، اور تین ماہ کا ۱۰ر روپے''۔ (جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۲۲ ۷ ج ۱)

چونکہ یہاں بھی بینک کو سود ہی دینا ہوتا ہے اس لئے یہ بھی ناجائز و گناہ ہے حجۃ الاسلام امام ابوبکر جصّاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے کو دلائل کے ساتھ بڑی وضاحت سے منقح کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اَلرّجلُ یکون علیه ألف درهم دینٌ مؤجّلٌ فیصالِحه، منه علیٰ خمس مائةٍ حالّةً فلا یجوز، وقد رویٰ سفیانُ عن حمید عن میسرة، قال: سألتُ ابنَ عُمَرَ یکون لی عَلَی الرَّجُل الدین إلیٰ اجلٍ فأقول عَجِّل لی، واُضعُ عنک۔ فقال: هورِبًا۔ ورُوِیَ عن زید بن ثابت أیضًا النهی عن ذلک وهو قولُ سعیدبن جبیروا لشعبی والحکم، وهوقولُ أصحابناوعامّةِ الفقهاء۔ ومعلومٌ أنّ ربا الجاهلیة انّما کان قرضًا مؤجّلًا بزیادةٍمشروطة فکانتِ الزیادة

ایک شخص پر کسی کے ہزار روپے میعادی قرض ہوں اور یہ (اس سے کم مثلاً) پانچ سو روپے نقد پر مصالحت کر لے تو یہ ناجائز ہے۔ حضرت سفیان، حمید سے اور وہ میسرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت میسرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ ایک آدمی کے ذمہ میرا دین (قرض) ہے جس کی ادائیگی کی ایک میعاد مقرر ہے، میں اس سے کہتا ہوں کہ تم مجھے میعادِ مقرر سے پہلے ہی دیدو میں کچھ روپے چھوڑ دوں گا۔ (تو کیا یہ جائز ہے) انھوں نے فرمایا کہ یہ سود ہے۔ صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس کی ممانعت مروی ہے۔ یہی قول سعید بن جبیر، شعبی، اور حکم علیہم الرحمۃ والرضوان کا ہے اور یہی مذہب ہمارے ائمہ حنفیہ و تمام

بدلامِنَ الأجلِ فَاَبْطَلَه' اللّٰه تعالیٰ وحرّمه وقال " وَذَرُوا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا" حَظَرَ اَنّ یُّوخَذَ للأجل عوضٌ، فإذاكانت عليه الف درهم مؤجلة فوضع عنه على أن يُعَجِّلَه' فإنّما جَعَلَ الحَطَّ بحذاء الأجل فكان هٰذا هو معنى الرِّباالّذى نصَّ اللّٰه تعالىٰ علىٰ تحريمه ولا خلافَ أنّه' لوكان عَلَيهِ الف درهم حالّةً فقال له': "اَجِلْنِي و اَزِيدُك فيها مائة درهمٍ" لايجوز لأنَّ المائة عوض من الأجل

كذلك الحطُّ فى معنى الزيادة إذ جَعَلَه' عوضًا من الأجل۔ وهٰذا هوالاصل فى امتناع جواز أخذِ الأبدالِ عن الآجالِ۔[1] اهـ

فقہا کا ہے۔

یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ عہد جاہلیت کا سود "میعادی قرض، طے شدہ اضافہ کے ساتھ" ہوا کرتا تھا اور یہ اضافہ میعاد کا بدل و معاوضہ ہوتا تھا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے باطل و حرام فرمادیا اور یہ فرمان صادر کرکے کہ "جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو" میعاد کا کوئی عوض لینے سے ممانعت فرمادی۔ تو جب کسی آدمی پر ہزار روپے میعادی قرض ہوں اور قرض خواہ اس شرط پر اس میں سے کچھ کم کرے کہ مقروض اسے میعاد سے پہلے ہی ادا کردے تو اس نے یہ کمی میعاد ہی کے مقابل کی ہے اور یہی معنیٰ ہے اُس سود کا جس کو اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں حرام قرار دیا ہے۔

اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ ہزار روپے نقد لازم ہوں اور وہ صاحب حق سے یہ کہے کہ تم ادائیگی کے لئے کوئی میعاد مقرر کردو، میں تمھیں سو روپے زیادہ دیدوں گا۔ تو یہ (بالاتفاق) ناجائز ہے کیونکہ یہ سو روپے

۱؎ تفسیر أحكام القرآن للإمام الجصّاص الرازى الحنفى م۔ ۳۷۰ھ ص ۴۶۷، ج ۱۔

میعاد کے عوض ہیں۔ اسی طرح سے قرض میں کمی بھی ایک طرح کا اضافہ ہے کیونکہ اسے میعاد کا عوض قرار دیا ہے (مثال کے طور پر مقروض نے ہزار روپے کے بدلے میں ۹۰۰ ہی پیشگی ادا کئے تو اسے میعاد کی وجہ سے سو روپے نفع کا اضافہ مل گیا) اور اس باب میں یہی ضابطۂ کلیہ ہے کہ "میعاد کے بدلے میں معاوضہ لینا ناجائز ہے"۔

ٹھیک یہی حال بینک کے "بٹے" کا بھی ہے کہ قبل از وقت بل یا ہنڈی بھنانے کے عوض میں تحریر شدہ رقم سے کچھ وضع کر لیتا ہے تو بلاشبہ یہ وضع یا کٹوتی میعاد ہی کے عوض میں ہے لہٰذا یہ بھی سود اور ناجائز ہے۔

چیک اور پُرجی کی خرید وفروخت

آج کل تجارتوں میں اُدھار خرید وفروخت کا ایک طریقہ یہ رائج ہو چکا ہے کہ خریدار اپنے بائع کو نقد دام دینے کے بجائے چیک یا پُرجی دے دیتے ہیں جس پر ادائیگی کے لئے آئندہ کی کوئی تاریخ لکھی ہوتی ہے مثلاً یکم نومبر کو لکھے جانے والے چیک یا پُرجی پر یکم دسمبر کی تاریخ ہوتی ہے اسے "آئندہ تاریخ کا چیک" (POST-DATED-CHEQUE) یا "پُرجی" کہتے ہیں۔ اور بائع کو فوراً یا دو چار روز میں پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ کسی ایسے مالدار تاجر سے ملتا ہے جو اس طرح کی پُرجی اور چیک بھنانے کا کام کرتا ہے، وہ پُرجی یا چیک پر لکھی رقم سے کچھ کٹوتی کرکے باقی رقم ادا کر دیتا ہے، اس کٹوتی کی شرح بھی مقرر ہوتی ہے۔ اسے لوگ عام بول چال میں چیک یا پُرجی کی خرید و فروخت کہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ خرید وفروخت نہیں بلکہ قرض لین دین کا

ایک معاملہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر چیک کو بینک مُسترد کردے یا پُرجی لکھنے والا اس پر تحریر شدہ رقم دینے سے انکار کردے تو وہ پوری رقم اُسی بائع سے وصول کرتا ہے۔ مثلاً ایک ہزار روپے کا چیک تھا، پانچ فیصد کٹوتی کے حساب سے اس نے پچاس روپے کم کرکے =/۹۵۰ روپے ادا کئے تھے اب چیک یا پُرجی کی واپسی کی صورت میں وہ پورے =/۱۰۰۰ روپے واپس لے گا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ اس شخص نے بہر حال میعاد کے بدلے میں معاوضہ وصول کیا نیز قرض سے مشروط نفع حاصل کیا اس لئے ہنڈی اور بل کے بٹہ کی طرح سے یہ معاملہ بھی سود سے آلودہ اور حرام و گناہ ہے البتہ آجکل کے غیر مسلموں کا چیک یا پُرجی بھنانا جائز ہوگا کہ وہ احکام اسلامی کے پابند نہیں۔

جواز کی راہ اگر قبل از وقت بل، ہنڈی، یا چیک کو بھنانا ہی ضروری ہو تو بھناتے وقت صاحبِ حق یہ صراحت کردے کہ میں نے یہ بل یا ہُنڈی اتنے روپے میں بیچی اور روپے اتنے ہی بتائے جتنے اسے بینک کے ذریعہ وصول ہوں گے، اس طرح سے یہ تبادلہ جائز ہوگا۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ تو معمولی کاغذ کی خطیر رقم کے عوض میں بیع ہوئی تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، شریعت نے فریقین کی باہمی رضامندی سے طے شدہ دام کے بدلے میں بیع کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ۔ فتح القدیر میں ہے:

لوباع کاغذۃً بألف یجوز ولا یکرہ ۔اھ

اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچ دیا تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔

امریکہ وغیرہ کے چیک کا لین دین امریکہ اور اس جیسے دوسرے ممالک جہاں میعادی چیک جاری کرنا قانوناً جرم ہے اور اگر کسی نے آئندہ کی میعاد پر چیک جاری

کردیا تو بھی وہ میعاد کالعدم قرار پاتی ہے اور کھاتے میں سرمایہ ہو تو چیک فوراً بھن جاتا ہے ساتھ ہی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے جرمانہ بھی دینا پڑتا ہے وہاں کا حکم یہ ہے کہ چیک پر لکھے ڈالر کو اگر کسی کے ہاتھ نقد بیچ دیں اور خرید و فروخت کے قصد کے ساتھ ڈالر ہی بیچنے کی صراحت بھی کردیں تو یہ خرید و فروخت کی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اسکی تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ اس باب میں یہی مذہب امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ تعالیٰ کا بھی ہونا چاہیئے۔

اعتمادی کارڈ / کریڈٹ کارڈ

کریڈٹ کارڈ (Credit Card) یہ بینک کے ذریعہ جاری شدہ ایک چھوٹا سا مطبوعہ کارڈ ہوتا ہے جسے دیکھا کر اجازت یافتہ دوکان، آفس، ہوٹل وغیرہ سے ضرورت کے سامان، رہائش کی سہولتیں، ہوائی جہاز کے ٹکٹ وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں۔

جس دوکاندار کو بینک کے ذریعہ یہ کارڈ قبول کرنے کی منظوری حاصل ہوتی ہے اس کے پاس ایک مشین ہوتی ہے جس میں وہ کارڈ کو ڈال کر اس کی کاربن کاپی نکالتا ہے پھر اس پر ''دستخط خریدار'' کے خانے میں صاحبِ کارڈ سے دستخط کراتا ہے اور اسے بل کے ساتھ منسلک کرکے کارڈ جاری کرنے والے بینک کو بھیجتا ہے تو بینک سے بذریعہ ڈرافٹ اسے رقم موصول ہوجاتی ہے۔ اب صاحب کارڈ کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ ایک ماہ کے اندر بذریعہ چیک یا نقد بینک کو بل کا دام ادا کرے، اگر ایک ماہ میں پوری ادائیگی نہ ہو سکے تو کم از کم بقایہ رقم کا ۵٪ فیصدی ضرور ادا کردے اس صورت میں باقی ۹۵٪ فیصد رقم کا سود ادا کرنے پڑے گا اور ساتھ ہی ''سَروس چارج'' کے نام پر سو روپے جرمانہ بھی دینا پڑے گا، کارڈ کی سالانہ فیس۔ جو -/۷۵۰ یا -/۱۱۰۰ روپے ہے۔ اس کے سوا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ کارڈ جاری کرنے والے بینک یا اس کے معاون بینکوں سے نقد روپے بھی بآسانی مل جاتے ہیں البتہ اس پر ہر ماہ سود ادا کرنا پڑتا ہے۔

سامان وغیرہ کی ''اُدھار بل'' اور بینک سے ''نقد روپے لینے'' میں فرق یہ

ہے کہ نقد لینے پر بہرحال سود دینا پڑے گا اگرچہ اسے ایک ماہ کے اندر ہی ادا کردیا جائے لیکن اُدھار خریداری کی صورت میں ایک ماہ کے اندر بل ادا کردینے پر سود نہیں دینا پڑے گا۔

کارڈ پر کیے جانے والے اخراجات لامحدود نہیں ہوتے بلکہ بینک اپنی صوابدید کے مطابق اس کی ایک حد مقرر کر دیتا ہے مثلاً (-/۵۰۰۰) پانچ ہزار روپے۔ یونہی کارڈ کے ذریعہ بینک سے جو روپے لئے جاتے ہیں اس کی بھی ایک حد مقرر ہوتی ہے مثلاً (-/۱۰۰۰۰) دس ہزار روپے۔

کریڈٹ کارڈ سِٹی بینک (City Bank) جاری کرتا ہے لیکن یہ سہولت تقریباً حکومت کے ہر بینک سے یوں مل جاتی ہے کہ وہ ایک فارم پُر کرکے سِٹی بینک کو بھیجتا ہے اور سِٹی بینک فارم بھیجنے والے بینک کی طرف سے درخواست دہندہ کے نام کارڈ جاری کردیتا ہے جو اسے اپنے بینک سے وصول ہوجاتا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کی حقیقتِ شرعیہ اور اس کا حکم | اس تفصیل سے یہ امر عیاں ہوکر سامنے آیا کہ بینک کارڈ کے ذریعہ تین طرح کی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔

(۱) اُدھار بل کی ضمانت (۲) مدیون کی طرف سے اُدھار بل کی ادائیگی (۳) بطور قرض نقد روپے کی فراہمی۔ ترتیب وار ہر ایک کا حکم یہ ہے۔

★ **اُدھار بل کی ضمانت** اس خصوص میں بینک کا بنیادی کردار یہ ہے کہ وہ دوکاندار کے لیئے اس کی اُدھار بل کا دام ادا کرنے کی ضمانت لیتا ہے اور ثبوت کے طور پر یہ کارڈ جاری کرتا ہے تو یہ معاملہ باہم ''مُعاہدۂ ضمانت'' ہے اور کارڈ سندِ ضمانت۔ واضح ہو کہ اس ضمانت کو فقہ کی اصطلاح میں ''کفالت'' بھی کہا جاتا ہے اور

یہ معاہدہ اسی کی ایک قسم "کفالت بالمال" کے دائرے میں آتا ہے۔

ضمانت شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے لیکن یہ ضمانت دو ناپاک شرطوں سے مشروط ہے اس لئے ناجائز و گناہ ہے۔

ایک: تو یہ کہ دام کی ادائیگی میں ایک ماہ کی دیر ہو جائے تو صاحبِ کارڈ کو سود ادا کرنا پڑتا ہے اور سود یقیناً حرام و گناہ کبیرہ ہے۔

دوسری: یہ کہ دیر کی وجہ سے جرمانہ بھی دینا پڑتا ہے جو ناحق اپنے مال کا ضیاع ہے اور یہ بھی حرام و گناہ ہے۔

البتہ اگر کسی شخص کا عزم مصمّم ہو کہ وہ ایک ماہ کے اندر بل کا دام ضرور ادا کردے گا تو وہ سود دینے کی حُرمت سے محفوظ رہے گا مگر سود و جرمانہ کی ناجائز شرط قبول کرنے کا گناہ ضرور اس کے سر رہے گا، ہاں اگر وقتِ معاہدہ وہ صراحت کردے کہ میں ایک ماہ کے اندر بل کا دام ادا کرتا رہوں گا اور سود و جرمانہ کی شرط مجھے منظور نہیں ہے، اور ساتھ ہی وہ اس پر کاربند رہے نیز کارڈ پر بنک سے روپے نہ لے تو ناجائز شرط و فعل کے گناہ سے محفوظ رہے گا مگر ان شرائط کی پابندی عوام سے نہایت مشکل ہے تجربہ شاہد ہے کہ وہ شرطوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور حرام کے یوں مرتکب ہو جاتے ہیں جیسے ان کے لئے اسکی کھلی آزادی دے دی گئی ہو اس لئے حکمِ شرعی یہی جاری کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہرگز ہرگز کریڈٹ کارڈ کے قریب نہ جائیں، تھوڑی سی سہولت اس سے ضرور حاصل ہو جاتی ہے مگر اس کی وجہ سے بڑے بڑے گناہوں کا جو بوجھ سر پر آتا ہے وہ اس عارضی راحت کے مقابل اُخروی زندگی کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے ایک سچا مسلمان اسے کبھی گوارہ نہیں کرسکتا کہ دنیا کی معمولی سی آسانی کے لئے آخرت کی بڑی پریشانی مول لے اور بارگاہِ خداوندی میں

شرمسار ہو۔

مسلم تاجر کارڈ قبول کرے، یا نہیں؟ اجازت یافتہ تاجر کی حیثیت "مکفول لہٗ" (جس کے لیئے ضمانت لی جائے) کی ہے جس نے بینک سے کارڈ قبول کرنے کی اجازت حاصل کر کے اسے کفیل بنایا ہے اور بینک کی کفالت جب سود و جرمانہ کی ناجائز شرطوں سے مشروط ہے تو اسے کفیل بنانا، یا کفیل بننے کی اجازت دینا ان ناجائز شرطوں پر رضا ہے اس لیئے یہ ضمانت تاجر کے حق میں بھی ناجائز ہے۔ ہاں آجکل کے غیر مسلم سودی احکام کے مخاطب نہیں ہیں لہٰذا وہ اگر کارڈ سے خریدنا چاہیں تو مسلم تاجر ان کے کارڈ قبول کرسکتا ہے۔

مدیون کی طرف سے اُدھار بل کی ادائیگی بینک کا دوسرا کردار یہ ہے کہ وہ باہمی قرارداد کے مطابق صاحبِ کارڈ سے روپے وصول کرتا ہے اس کی بل کا دام ادا کرتا ہے، نیز اس کا حساب و کتاب رکھتا ہے اور اپنی اس خدمت کے بدلے سالانہ اس سے -/۷۵۰ روپے، یا -/۱۱۰۰ روپے فیس لیتا ہے، یہ فیس حقیقت میں بینک کے کام کی مزدوری ہے جس کا لینا، دینا شرعاً جائز ہے مگر یہاں بھی وہی سود و جرمانہ کی قباحت دامنگیر ہے کہ بینک کی یہ تمام خدمات اس کی ضمانت کے تابع ہیں اور اس کو ضامن بنانا سود و جرمانہ کی شرط کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قرض کی فراہمی کارڈ کے ذریعہ وقت ضرورت بینک سے روپے بھی وصول کیئے جاتے ہیں اس کی حیثیت بینک سے قرض لینے کی ہے اسی لیئے بینک اس پر لازماً سود لیتا ہے تو یہ سہولت بھی سود کی زیاں کاری کی وجہ سے ناجائز ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کریڈٹ کارڈ کی مروجہ صورت بہرحال ناجائز و گناہ ہے لہٰذا اس سے احتراز واجب ہے واللہ تعالیٰ اعلم

بینکوں کے قرض کے بارے میں مالکی، شافعی، حنبلی مذہب

بینکوں سے قرض لیکر اس پر انٹرسٹ دینا تینوں مذہب میں، بالاتفاق سود، اور حرام و گناہ ہے اور مذہب حنفی میں قول راجح پر سود اور حرام و گناہ ہے۔ لہذا کیش کریڈٹ، کلین اور ڈرافٹ، ڈاکومینٹری اور ڈرافٹ، آئی آر ڈی پی، سیوم ے، پردھان منتری روزگار یوجنا، وغیرہ اسکیموں سے قرضے لینا اور اس پر انٹرسٹ دینا امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حرام اور گناہ ہے بلکہ ان ائمہ کے یہاں بدرجۂ اولیٰ حرام و گناہ ہے۔

قرض پر چھوٹ | جن قرضوں پر حکومت ۳۳٪ فیصد یا ۴۰٪ فیصد چھوٹ دیتی ہے یعنی قرض سے اتنے فیصد معاف کر دیتی ہے ان میں بھی بقیہ قرضے پر سود وصول کرتی ہے اس لیئے یہ بھی چاروں مذاہب میں حرام و گناہ ہے البتہ یہاں سود سے بچنے کے وہ راستے اختیار کیئے جاسکتے ہیں جن کا بیان پہلے (صفحہ ۷۱،۷۲ میں) ہو چکا۔

انکم ٹیکس سے بچنے کے لیئے اگر قرض لے | اگر انکم ٹیکس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو اور یقین یا کم از کم ظن غالب ہو کہ بینک سے قرض نہ لینے پر سود سے زیادہ مال انکم ٹیکس میں برباد ہو جائے گا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تینوں اماموں کے نزدیک بھی قرض لینے کی اجازت ہوگی کہ قاعدۂ فقہیہ "الضَّرُورَاتُ تُبِیحُ المَحظُورَاتِ" چاروں مذاہب میں تسلیم شدہ ہے اور ممنوعات بالاتفاق ضرورتِ شرعی کی وجہ سے مباح ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کریڈٹ کارڈ | اس کارڈ کے ذریعہ روپے لینا تینوں ائمہ کے نزدیک بھی مطلقاً حرام ہے کہ اس کی حیثیت قرض کی ہے جس پر سود دینا بالاجماع حرام و گناہ ہے،

یونہی سامان کا اُدھار دام اگر ایک ماہ کے بعد ادا کرے تو اس پر سود عائد ہونے کی وجہ سے بالاتفاق حرام و گناہ ہے اور اگر عزم مصمّم ہو کہ ایک ماہ کے اندر ضرور ادا کردے گا تو سب کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ کارڈ لیتے وقت اس عزم مصمّم کی اور سود نہ دینے کی صراحت کردے۔

چیک پر انٹرسٹ | میعادی چیک بھنا کر انٹرسٹ حاصل کرنا جیسا کہ رائج ہے تینوں اماموں کے نزدیک بھی سود اور حرام و گناہ ہے کہ یہ میعاد کا معاوضہ ہے جو تمام فقہاء کے نزدیک حرام ہے جیسا کہ تفسیر جصاص کے حوالہ سے عنقریب (صفحہ ۷۷،۷۸، میں) گزرا۔

مسلم مَالیاتی ادارے

عصر حاضر میں جگہ جگہ مسلمانوں کے زیر انتظام مسلم مالیاتی ادارے بھی قائم ہو چکے ہیں اور گورنمنٹ کے بینکوں کی طرح سے قوم کی خدمت کر رہے ہیں ان میں سے بہت ایسے بھی ہیں جو اپنے نام کے ساتھ اسلام یا مسلم یا اس طرح کے الفاظ بھی جوڑے ہوئے ہیں مثلاً مسلم فنڈ، اسلامی فنڈ، اسلامی کواپریٹیو بینک، وغیرہ۔ اور یہ سب قوم کی ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو کر قائم کیئے گئے ہیں مگر ان کی حقیقت کا سراغ لگانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا طریق کار گورنمنٹ کے بینکوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے ہاں الفاظ ضرور مختلف ہوتے ہیں۔ قرض وہ بھی دیتے ہیں قرض یہ بھی دیتے ہیں، اور قرض پر مشروط نفع وہ بھی لیتے ہیں یہ بھی لیتے ہیں فرق یہ ہے کہ وہ نفع کو انٹرسٹ کہتے ہیں اور یہ اس کے لیئے کوئی دوسرا خوبصورت نام تجویز کر لیتے ہیں مثلاً چندہ جو لازمی ہوتا ہے، قرض فارم کا دام، قرض لینے والے کو ہر تین ماہ پر ایک فارم پُر کرنا پڑتا ہے اس کے دام کے نام پر نفع وصول کیا جاتا ہے یا اس طرح کا

کوئی اور لفظ یا نام۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ نفع ضرور ہے اور یقیناً یہ نفع قرض کی وجہ سے حاصل کیا گیا اس لیئے چاروں مذاہب میں وہ سود اور حرام و گناہ ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کُلّ قرضٍ جَرَّ نفعًا فَھُوَرِبٰو۔ قرض کی وجہ سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے (مسند حارث، نصب الرایہ، درایہ، فتاوی رضویہ) اور نفع یا سود کا نام چندہ رکھنا محض بے جا و بے معنی ہے کیونکہ چندہ لازمی نہیں ہوتا ارشاد باری ہے: وَمَاعَلَی المُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ۔ فقہاء فرماتے ہیں: لاجبرَ فی التبرّع۔ قرض کے دباؤ کی وجہ سے جس نام پر بھی نفع وصول کیا جائے وہ سود ہی ہوگا کہ لفظ بدل جانے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ شراب کا نام شربت رکھ دیا جائے تو بھی اس کا پینا حرام ہی رہے گا۔

ان اداروں کا ایک کام یہ ہے کہ لوگوں کے میعادی چیک کمیشن لے کر بھناتے ہیں یہ کمیشن فی لواقع میعاد کا معاوضہ ہے کیونکہ یہ میعاد کی کمی و بیشی سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور اسکی بھی شرعی حیثیت وہی قرض کی ہے کہ فنڈ قرض دے کر چیک لیتا ہے جسے میعاد مقرر پر بینک سے بھنا لیتا ہے اور میعاد کے بدلے میں کمیشن کے نام پر نفع وصول کرتا ہے تو یہ کمیشن یا نفع بھی سود ہی ہے جیسا کہ "ہنڈی اور بلوں کے بٹہ" کے زیر عنوان اسے بخوبی واضح کیا گیا۔ اس لئے مسلم مالیاتی اداروں پر لازم ہے کہ اس طرح کے کاروبار سے احتراز کریں۔ اور شرعی اصولوں پر اپنے ادارے کی بنیاد رکھیں۔ ہم نے "خاتمہ" کے زیر عنوان اسلامی بینک کاری کے کچھ شرعی اصول بیان کیئے ہیں ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ اس باب میں یہی مسلک بقیہ مذاہب فقہ (مالکی، شافعی، حنبلی) کا بھی ہے کما مرّ عن الجصاص: "وھو قولُ أصحابِنَا وَعَامّةِ الفقھاء" واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا باب

ترسیلِ زر و تحفظِ اَمانات کا اجارہ [۱]

۱؎ روپے بھیجنے اور امانتوں کی حفاظت کا کرایہ، یا فیس۔

بینک لوگوں کے کچھ کام اپنے اصول کے مطابق اجرت (مزدوری) پر بھی کرتا ہے اس لحاظ سے اس کی حیثیت اجیرِ مشترک کی ہے جو ایک وقت میں مختلف لوگوں کے کام کرتا ہے اور مزدوری اپنے کام کے لحاظ سے پاتا ہے جیسے دھوبی، درزی، وغیرہ، بینک کا یہ عمل فقہ کی اصطلاح کے مطابق ''اجارہ'' کہلاتا ہے، اس نوع کے کچھ کام یہ ہیں:

(۱) ایک جگہ سے دوسری جگہ روپے بھیجنے کے لئے ڈرافٹ (Draft) جاری کرنا۔

(۲) مسافروں کی سہولت و آسانی کے لئے ''سفری چیک'' (Travellers Cheque) جاری کرنا۔

(۳) قیمتی چیزوں کی حفاظت کرنا۔ اور اس طرح کے دوسرے جائز کام۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جائز کام پر مزدوری لینا شرعاً، عقلاً ہر طرح جائز ہے اس لئے اسلام فریقین کو اس کی اجازت دیتا ہے۔

چالو کھاتہ یا کرنٹ اکاؤنٹ (Current Account) پر بینک عام طور سے اپنے کھاتہ دار کو کوئی سود نہیں دیتا بلکہ وہ اپنی خدمات کے عوض ''بینک اخراجات'' (Bank Charges) یا ضمنی اخراجات (Incidental Charges) وصول کرتا ہے۔ یہ بھی اجارہ ہی کے زمرہ میں شامل ہے اور شرعاً جائز و درست ہے۔

ڈاکخانوں کے رائج اجارے | ڈاک خانوں میں بھی مختلف قسم کے اجاروں کا رواج ہے مثلاً:

(۱) وی، پی (V.P.) کے ذریعہ اموال کا نقل و حمل۔

(۲) کتب و رسائل وغیرہ کی رجسٹری۔

(۳) ٹیلی گرام (Telegram) کے ذریعہ پیغام رسانی۔

(۴) رجسٹری بیمہ (Registered-Insurance) کے ذریعہ ترسیلِ زر۔

(۵) روپے بھیجنے کے لئے منی آرڈر اور تار منی آرڈر[1]۔

آخری صورت کے سوا اجارہ کی بقیہ تمام صورتیں بالاتفاق جائز و حلال ہیں۔ اور منی آرڈر کے بارے میں اختلاف ہے۔

ماضی قریب کے دو نام نہاد فقیہوں[2] نے اپنے ''اجتہاد'' سے منی آرڈر کو سودی کاروبار مان کر ناجائز و گناہ قرار دے دیا لیکن ان کا یہ اجتہاد مذہب کے اصول وفروع سے ناواقفی کا نتیجہ ہے جس کا عقل سے لگاؤ ہے، نہ فقہ سے علاقہ۔

صحیح یہ ہے کہ منی آرڈر بھی ایک قسم کا جائز اجارہ ہے اور اس میں سودکاری کا ادنیٰ سا بھی کوئی شائبہ نہیں۔

اس مسئلے کی کامل تحقیق مجددِ اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے رسالۂ مبارکہ ''المُنی والدّرر لمن عَمدَ مَنِی آردر'' میں ہے (مشمولہ فتاوی رضویہ ص ۱۹۷ تا ص ۲۱۴ ج ۸)

---

[1] منی آرڈر (Money Order) تو بہت معروف ہے۔
تار منی آرڈر (Telegraphic Money Order) یہ ہے کہ روپیہ جلدی بھیجنے کیلئے تار کے ذریعہ منی آرڈر بھیجا جاتا ہے، اس ذریعہ سے روپیہ بھیجنے میں اکسپرس، یا عام (Ordinary) تار کا استعمال کیا جاتا ہے۔ روپے بھیجنے کا ایک طریقہ ہندوستانی پوسٹل آرڈر بھی ہے یہ چھوٹی رقمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کے لئے سہل اور محفوظ طریقہ ہے۔ (جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۶۹۹ ج ۱) ۱۲ منہ

[2] مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی

چوتھا باب

متفرّقات

(۱) زندگی بیمہ
(۲،۳) جنرل انشورنس اختیاری، وغیر اختیاری
(۴) شیر بینک

زندگی بیمہ کا حکم | زندگی بیمہ[1] (لائف انشورنس Life Insurance) بھی عوام سے قرض حاصل کرنے کا ایک خاص قسم کا ذریعہ ہے جو بینکوں کے متواتر جمع کھاتہ (کیومولے ٹیوڈپوزٹ اکاونٹ۔) کے مشابہ ہے۔ یہاں سود کے بجائے بونس (BONUS) کے نام پر نفع ملتا ہے لیکن شرعی نقطۂ نظر سے حقیقت دونوں کی ایک ہے کہ دونوں قرض کے نفع ہیں لہذا تفصیل بالا کے مطابق یہاں بھی اضافی رقم مباح اور اسے لینا جائز ہونا چاہئے۔

البتہ قرض کا یہ معاملہ ''متواتر جمع کھاتہ'' سے مشابہت کے ساتھ ساتھ قمار و غَرر پر بھی مشتمل ہے جو ''زندگی بیمہ'' کی پوری مدت کو حاوی ومحیط ہے مگر یہ قمار اپنے نافع ومضر ہونے کے لحاظ سے مدتِ بیمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

ایک: ابتدائی تین سال کی مدت۔

دوسرے: اس کے بعد کی مدت۔

بیمہ کے ابتدائی تین سال کا زمانہ بڑی ہی امید وبیم کی کشمکش کا زمانہ ہوتا ہے اگر کسی وجہ سے تین سال سے پہلے ہی قسطوں کی ادائیگی موقوف ہوگئی اور آئندہ پانچ سال کی مدت کے اندر باقی ماندہ رقم یک مشت مع اضافہ جمع نہ ہوسکی تو تمام جمع

---

[1] ''بیمہ'' فارسی زبان کے لفظ ''بیم'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے اندیشہ، اور یہاں مراد ہے ''اندیشۂ ضرر کا ذمہ، یا ضمانت''۔ بیمہ کو عربی زبان میں عقدُ التامین اور انگریزی میں انشور (Insure) کہتے ہیں اس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں، بیمۂ زندگی، بیمۂ اَموال۔ پھر ہر ایک کی مختلف اقسام ہیں جن کی قدرے تفصیل مع احکام صحیفۂ مجلس شرعی جلد اول میں بعنوان ''سوال نامہ۔ بیمہ'' ہے ۱۲ منہ

شدہ رقم سوخت ہو جائے گی اور بیمہ دار (پالیسی ہولڈر۔ Policy Holder) خوف وبیم کی مہیب تاریکی سے نکلنے کے بجائے یقینی محرومی کے ایسے گھٹاٹوپ اندھیرے میں پھنس کر رہ جائے گا جہاں سے کبھی امید کی کرن نمودار نہ ہوگی۔ ہاں اگر یہ زمانہ خیر وخوبی کے ساتھ گزر گیا اور تین سال کی تمام قسطیں ادا ہو گئیں تو اب محرومی کے اندیشۂ وغرر کا بادل چھٹ گیا اور مستقبل کچھ یوں تابناک ہو گیا کہ راس المال مع اضافہ (بونس Bonus) بہرحال ملے گا، اب یہاں قمار صرف نفع یا اضافہ کی کمی بیشی تک محدود ہے کہ بیمہ دار اگر خوش قسمتی سے بیمہ کی میعاد سے پہلے ہی جاں بحق ہو گیا تو نفع زیادہ ملے گا، ورنہ کم۔لیکن نفع بہرحال ملے گا، اس لئے زندگی بیمہ کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بیمہ کرانے والے کو اپنی آمدنی، نیز موجودہ مال و متاع کے پیش نظر ظن غالب ہو کہ وہ ابتدائی تین سال کی قسطیں ادا کرلے گا۔فقیہ عبقری اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان سے دریافت کیا گیا کہ:

"زندگی کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا حرام؟

صورت اس کی یہ ہے کہ جو شخص زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاتا ہے کہ ۵۵ سال، یا ۶۰ سال یا ۵۰ سال کی عمر تک مبلغ دو ہزار روپے ۴؍ روپے یا ۳؍ روپے ماہوار کے حساب سے تنخواہ میں سے وضع ہوتے رہیں گے اگر وہ شخص ۵۵ سال تک زندہ رہا تو خود اس کو، اور اگر مقررہ میعاد کے اندر مر گیا تو اس کے ورثہ کو دو ہزار یکمشت ملے گا خواہ وہ بیمہ کرانے اور اس کی منظوری آنے کے بعد فوراً مر جائے۔ یہ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہوتا ہے۔؟"

اس کا جواب آپ نے یہ ارقام فرمایا:

"جبکہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کراتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے، کوئی حرج نہیں"۔[1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے میں بیمۂ زندگی کی شکل کچھ مختلف تھی جیسا کہ سوال سے عیاں ہے مگر بنیادی طور پر اس میں اور آج کے بیمہ میں اشتراک پایا جاتا ہے اس لیئے دونوں کا حکم ایک ہوگا۔

فقیہ الامت، صدر الشریعہ حضرت مولٰینا امجد علی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتوئی بھی یہی ہے، آپ سے سوال ہوا کہ زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے، یا نہیں؟

تو آپ نے اس کا جواب یہ دیا:

"اگر یہ کمپنیاں خاص کفار کی ہوں تو بیمہ کرانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مسلم کا نقصان نہ ہو اور اس کو ربا و قمار قرار دے کر حرام کہنا صحیح نہیں جیسا کہ سوال نمبر ۱ کے جواب سے ظاہر ہے"

چند اہم اشکالات اور ان کے حل

مگر اس مقام پر کئی ایک اہم اشکال وارد ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مال کے آتے جاتے یا آدمی کے بنتے بگڑتے دیر نہیں لگتی، ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی ارب پتی ہو اور چند گھنٹوں میں بھکاری ہو جائے "اَلمالُ غادٍ ورائحٌ" اسلئے مالیات کے باب میں ظن غالب کا اعتبار ریت کا محل تعمیر کرنے کے مرادف ہے۔

لیکن کتب فقہ کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مالیات کے سلسلے میں بھی ظن غالب کا اعتبار ہوگا۔ اور ارب پتی کا چند گھنٹوں میں بھکاری ہو جانا نوادرات

[1] فتاوی رضویہ ص ۲۱۱ ج ۹، رضا اکیڈمی۔

سے ہے۔ جو اصل حکم پر اثرانداز نہیں ہوتے۔

عامۂ کتب فقہ میں بیع سَلَم [1] کے باب میں صحتِ سَلَم کی ایک بنیادی شرط یہ بیان کی گئی ہے کہ وقتِ عقد سے وقت ادا تک مُسْلَمْ فِیْہ یعنی مبیع کا برابر دستیاب رہنا ضروری ہے، اگر اس مدت میں کبھی بھی وہ نایاب ہوئی تو سلم فاسد ہو جائے گا۔ پھر اس شرط پر یہ تفریع کی گئی ہے کہ اگر کسی خاص آبادی یا معین باغ کے گیہوں، اناج، یا پھل کی بیع سلم ہوئی تو بیع ناجائز ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ معین باغ یا آبادی کے پھل یا اناج آفت سماویہ وغیرہ سے تباہ یا نایاب ہو جائیں اور یہ احتمال یہاں زیادہ ہے۔ لیکن اگر کسی صوبہ یا ضلع کے اناج و پھل کی بیع ہو، یا مخصوص باغ و آبادی کا ذکر بیانِ صفت کے لئے ہو تو بیع جائز ہوگی کیونکہ یہاں یہ گمان غالب ہے کہ بڑے شہر، یا صوبہ، یا خاص صفت کے تمام پھل و اناج ناپید، یا تباہ نہ ہوں گے، بلکہ دستیاب رہیں گے۔ ملک العلماء امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:

وعلیٰ ھٰذا یُخرّج ماإذا أسلم فی حنطةِ موضعٍ أنّه' إن کَانَ مِمّالا یُتوھّم انقطاع طعامہ جازالسّلم فِیه کما اِذَا اَسْلَمَ فی حنطة خُراسان، أوا لعراق، أوفرغانة لأنّ

درج بالاشرط پر یہ تخریج کی جاتی ہے کہ کسی خاص جگہ کے گیہوں کی بیع سلم ہوئی تو اگر وہاں کے غلے کا ختم یا نایاب ہو جانا موہوم نہ ہو تو وہاں سلم صحیح ہوگا جیسے خراسان، عراق، یا فرغانہ کے غلے میں سلم ہوا تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ ان میں سے

[1] بیع سلم وہ بیع ہے جس میں دام نقد اور سامان ادھار ہوتا ہے اس بیع میں بائع کو مُسْلَم الیہ، اور مبیع کو مُسْلَم فیہ کہتے ہیں اور مبیع کی ادائیگی کے لئے ایک ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت مقرر ہوتی ہے، یہ مدت دو تین سال بھی ہوسکتی ہے۔ ۱۲ ن

کلّ واحد منھا إسمٌ لِولایة، فلا یُتوھّمُ اِنقطاع طعامھا۔و کذاإذا أسلم فی طعام بلدةٍ کبیرةٍ کسمر قند، و بخاریٰ، أو کاشان جاز۔ لأنّه' لاینفد طعام ھٰذِہٖ البلاد إلّاعلیٰ سبیل النّدرة. والنّادرُ ملحقٌ بالعدم اھ [1]

ہرایک، الگ ایک سلطنت کے نام ہیں اور پوری ایک سلطنت کے غلے کا ختم ہو جانا وہم سے باہر ہے۔ یونہی جب کسی بڑے شہر جیسے سمرقند، بخارا، یا کاشان کے غلہ میں سلم ہوا تو یہ بھی درست ہے کیونکہ ان بلاد کے تمام غلے کا ختم ہو جانا بھی محض ایک نادر امر ہے اور نادر امر، معدوم کے درجہ میں ہوتا ہے۔

پھر دو سطر بعد اس مسئلے کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

والصّحیح أن الموضع المضافَ إلیه الطعامُ إن کان ممّالا ینفدُ طعامُه' غالبًا یجوز السَّلمُ فیه سواء کان ولایة، أوبلدة کبیرة لِأنّ الغالب فی أحکام الشرع مُلحقٌ بالمتیقّن۔وإن کان ممایحتمل أن ینقطع طعامه' فلا یجوز فیه السّلم کأرضٍ بعینھا، أو قریةٍ بعینھا، لأنّه' إذا احتمل الإنقطاعُ لاعلیٰ سبیل النّدرَةِلاتثبت القدرة علی

صحیح یہ ہے کہ جس جگہ کے غلے میں سلم ہوا ہے اگر وہاں کا غلہ عام طور سے ختم نہیں ہوتا تو وہاں سلم صحیح ہے خواہ وہ جگہ کوئی سلطنت ہو یا بڑا شہر۔ کیونکہ احکام شرع میں غالبُ الوقوع مُتیقَّن کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ احتمال ہو کہ وہاں کا غلہ ختم ہو جائیگا مثلاً کسی معین زمین یا آبادی کے غلے میں سلم ہوا تو وہاں سلم صحیح نہیں کیونکہ جب وہاں کے غلے کے ختم ہو جانے کا احتمال

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۲۱۱ ج ۵، کتاب البیوع۔

التسلیم، لما ذکرنا أنّه' لاقدرة له للحال، لأنّه' بیع المفالیس وفی ثبوت القدرة عند مَحِلّ الأَجَلِ شکّاً لاحتمال الإنقطاع فلا تثبت القدرة مع الشک۔ وقدورد أنَّ زید بن شعبة لمّا اراد أن یّسلم إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، قال: أسلِمُ إلیک فی تمرنخلةِ بعینها؟ فقال علیه الصَّلاة والسَّلام: أمّافی تمرنخلةِ بعینها، فلا۔ اھ [1]

زیادہ ہے، نادر نہیں ہے تو تسلیم مبیع پر قدرت ثابت نہیں ہوئی۔ یہ اس لئے کہ جیسا کہ ہم بیان کرآئے، یہ مفلسوں کی بیع ہے اور انھیں فی الحال تسلیم مبیع پر قدرت نہیں اور غلہ کے ختم ہو جانے کے احتمال کی وجہ سے ادائیگی کے وقت بھی تسلیم مبیع پرقدرت مشکوک ہے لہذا شک کے ساتھ قدرت کا ثبوت نہ ہوگا۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضرت زید بن شعبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سلم کرنا چاہا تو دریافت کیا کہ ایک معین باغ کے کھجور میں سلم کروں؟ تو سرکار نے فرمایا نہیں۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

ولوکانت النسبة إلیٰ قریةٍ لبیان الصفة لاباس بهٖ علیٰ ماقالوا کالخُشمُرانی ببخارا، والبساخی بفرغانه اھ [2]

کسی خاص آبادی کی طرف اناج کی نسبت اگر بیان صفت کیلئے ہوتو جیسا کہ مشائخ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے بخارا کا خشمرانی اور فرغانہ کا بساخی گیہوں۔

ان عبارات سے یہ امر واضح ہوکر سامنے آتا ہے کہ مالیات کے باب میں بھی ظن غالب کا اعتبار ہوگا، لہذا اگر کسی نے تین سال کیلئے گیہوں کی بیع سلم کی اور علاقہ ایسا

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۲۱۱، ۲۱۲ ج ۵ کتاب البیوع۔

[2] ھدایہ ص ۷۹، ج ۳، کتاب السلم۔

ہو کہ وہاں تین سال تک برابر گیہوں کے حصول کا ظن غالب ہوتو بیع صحیح ہوگی۔ یونہی بیمۂ زندگی میں بھی تین سال کی قسطوں کی ادائیگی مظنون بظن غالب ہوتو بیمہ کے جواز کا حکم ہوگا۔

(۲) دوسرا اشکال یہ ہے کہ بیع سلم میں ظن غالب کا اعتبار اس لئے ہے کہ خدانخواستہ اگر کبھی مُسلَم فیہ کے نایاب، یا تباہ ہوجانے کی صورت میں بیع فاسد ہوگئی تو مشتری کو اس کا پورا دام واپس ملے گا، ایسا نہیں ہے کہ اس کا ادا کردہ دام سوخت ہو جائے، لیکن بیمۂ زندگی میں اَقساط کی عدمِ ادائیگی، گو نادر ہی سہی حرمانِ کامل کا پیغام لاتی ہے اور بیمہ دار کو جمع شدہ رقم سے ایک پیسہ بھی واپس نہیں ملتا۔

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ باب سلم میں بھی حرمان کامل کا یہ احتمال بایں طور ہے کہ مُسلم اِلیہ یعنی بائع حالتِ افلاس میں فوت ہو جائے تو مشتری کو کچھ نہ ملے گا، اور اگر حالت افلاس میں وفات نادر ہے تو حصول مال کا ظن غالب ہونے کی صورت میں اقساط کی عدم ادائیگی بھی نادر ہے، شاید وباید کبھی ایسا ہوتا ہو کہ بیمہ دار کے دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے اس کی قسطوں کی ادائیگی موقوف ہوتی ہو۔

(۳) یہاں یہ اشکال بھی وارد نہ ہوگا کہ بیع سلم خلافِ قیاس مشروع ہے اس لئے بیمہ کے جواز کے لئے اس کا سہارا نہیں لیا جاسکتا۔ کیونکہ سلم قیاسی ہو، یا غیر قیاسی! اس پر مسئلۂ بیمہ کا مدار نہیں، مدار تو صرف اس بات پر ہے کہ فقہیات میں ظنِ غالب اور کثیر الوقوع کا اعتبار ہے اور درج بالا مسئلہ سے یہ ثبوت بخوبی فراہم ہو رہا ہے کہ یہ قاعدہ مالیات کے باب میں بھی جاری ہوگا۔ تو یہاں سلم پر قیاس درکنار، سرے سے قیاس ہی نہیں، بلکہ ایک قاعدۂ کلیہ پر مسئلہ مبحوثہ کا انطباق ہے

حاصل کلام یہ کہ تین سال کی قسطوں کی ادائیگی کا ظنِ غالب ہو تو

بیمۂ زندگی کی اجازت ہے۔ اور جو شخص صاحبِ حیثیت ہو اسے یہ چاہیئے کہ کارپوریشن میں درخواست دے کر تین سال کی قسطیں یک مشت جمع کردے تا کہ اس کے لئے محرومی کا کچھ بھی احتمال نہ رہے۔

مصالح زندگی بیمہ کی اجازت دینے میں یہ مصالح بھی پیش نظر ہیں کہ بیمۂ زندگی کے ذریعہ مختلف قسم کے ٹیکسوں مثلاً انکم ٹیکس، دولت ٹیکس، ہبہ ٹیکس، جائداد ٹیکس میں خاصی مراعات حاصل ہونگی۔ جیسا کہ "ایجنٹ مے نُو وَل بھارتیہ جیون بیمہ نگم" (ص ۶۷ تا ص ۷۰) میں اسکی صراحت ہے نیز یہ ایک حد تک مسلم کش فرقہ وارانہ فسادات میں مال کے تحفظ یا ترکہ میں اضافہ کا ذریعہ ہوگا، اور ممکن ہے اس کے ذریعہ فسادات میں بھی کچھ کمی آئے۔ تو جلبِ مصالح و دفع مفاسد کے لئے نفع کے ظنِ غالب کی صورت میں زندگی بیمہ جائز ہے۔

بیمۂ اَموال کا حکم بیمۂ اموال (یعنی جنرل انشورنس) میں دُکانات اور ذرائعِ نقل و حمل مثلاً ٹرک، بس، منی بس، ٹریکٹر، موٹر سائیکل، کار، ٹیکسی وغیرہ شامل ہیں اس بیمہ کی صورت ایسے قمار کی ہے جس میں محرومی کا گمان غالب ہے، اور یہ نادر نہیں بلکہ کثیر الوقوع ہے کیونکہ یہ بیمہ سال بھر کے لئے ایک متعینہ رقم کی ادائیگی پر ہوتا ہے۔ اور معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ سال بھر کی مدت میں بیمہ شدہ چیز کو کوئی حادثہ پیش آیا تو کمپنی نقصانات کی تلافی کرے گی اور اگر کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو کمپنی اپنی ضمانت یا ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گی اور جمع شدہ تمام رقم اسی کی ملک ہوگی۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مدت میں کوئی ایسا حادثہ پیش آنا کثیر الوقوع نہیں، بلکہ نادر ہے اس لئے یہاں بیمہ سے نفع یاب ہونے کا ظن غالب نہیں ہوسکتا۔

اسے باہمی تعاون و امداد کا معاملہ بھی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یہ معاملہ مدت کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اور جو شخص بھی "انجمن امداد باہمی" کا رکن ہوتا ہے اسے جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو انجمن اس کا تعاون کرتی ہے لہذا بیمۂ اموال کی اجازت نہیں دی جا سکتی، البتہ اس کیلئے قانونی مجبوری کی صورتیں بہرحال مستثنیٰ رہیں گی۔ جیسے ہوائی جہاز اور ریل اور بس کے مسافروں کا بیمہ جس کی رقم کرایہ کے ساتھ ضم کرکے لازمی طور پر وصول کی جاتی ہے اور انجن سے چلنے والی گاڑیوں کا جبری بیمہ کہ قانونی مجبوری کی وجہ سے یہ سب اکراہ کے حکم میں ہیں لہذا جائز ہیں۔

ایک خاص صورت کی اجازت رہے وہ حساس علاقے جہاں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور آئندہ کبھی بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ یہی ہندوستانی آبادیوں کی قسمت ہے وہاں کے باشندے اپنے طور پر فیصلہ کریں اگر حالات وقرائن کے پیش نظر انھیں اطمینان حاصل ہو کہ ان کے اَملاک کی تباہی کی صورت میں تاوان کی رقم ضرور وصول ہو جائے گی تو وہ مختار ہیں جو چاہیں کریں، مُبتَلیٰ بِہٖ (صاحبِ معاملہ) کے حق میں عمل کی حد تک نرمی کی یہ گنجائش اس لئے ہے کہ بہت سے فساد زدہ افراد کے بارے میں وثوق سے معلوم ہوا کہ انھیں جنرل انشورنس کی وجہ سے پورے تاوان کی رقم وصول ہو گئی خود شہر بمبئی میں اس کی سیکڑوں شہادتیں موجود ہیں۔ راقم نے اپنے استاذِ جلیل بحر العلوم حضرت مولٰنا مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اور فقیہ ملت حضرت مولٰنا مفتی جلال الدین صاحب قبلہ دامَ ظلّہما العالی سے اس مسئلے میں تبادلۂ خیال کیا تو ان حضرات نے بھی اسے جائز قرار دیا کہ یہ قلیل کے بدلے میں کثیر کی حفاظت ہے، بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ اس شکل خاص کی اجازت تو چاروں مذاہب فقہ

میں ہونی چاہیئے والعلم بالحق عند ربی وھو تعالیٰ اعلم

زندگی بیمہ اور جنرل انشورنس کے باب میں

ائمہ ثلٰثہ کا مذہب

جیسا کہ بیان ہوا بیمۂ زندگی بینکوں کے میعادی کھاتے کی ایک قسم "متواتر جمع کھاتے" کی طرح ہے اور اسکی حیثیت بھی قرض ہی کی ہے اور قرض دینے ہی کی وجہ سے اس پر نفع بھی ملتا ہے تو ائمۂ ثلٰثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے مذہب پر یہ نفع سود اور حرام قطعی ہوگا کہ ان کے اجتہاد کے مطابق غیر مسلموں کے مال میں بھی مطلقاً سود (انٹرسٹ) کا تحقق ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے ص۵۷ تفصیل سے واضح کیا گیا۔

اور جنرل انشورنس کی حیثیت تو قمار کی ہے لہذا یہ بھی ان کے نزدیک حرام ہونا چاہئے کہ قمار چاروں مذہب میں حرام ہے۔ ہاں غیر اختیاری انشورنس ان کے یہاں بھی مباح قرار پائے گا کہ بوجہ ضرورت اس طرح کے ممنوعات چاروں مذہب میں مباح ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شیر بینک

(بینک کا ایک عارضی کاروبار)

"بینک شیر" سے مراد "اسٹاک ایکسچینج" کے ہی شیر ہیں جنھیں عام طور سے

مشترکہ سرمایہ کمپنیاں جاری کرتی ہیں لیکن جب کبھی بینک کو مالی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو اس وقت بینک بھی اپنی مالی پوزیشن مضبوط کرنے کے۔لئے یہی شیر جاری کرتا ہے، اور اس کے لئے اسے اسٹاک ایکسچینج بورڈ آف انڈیا (S.E.B.I) کو یہ درخواست دینی پڑتی ہے کہ "ہم اپنی پونجی بڑھانے کے لئے اپنے بینک کے ذریعہ آپ کا شیر جاری کرنا چاہتے ہیں" اِسٹاک ایکسچینج کچھ ضروری جانچ کے بعد اسے شیر جاری کرنے کی اجازت دے دیتا ہے ساتھ ہی اس بات کا پابند بھی کر دیتا ہے کہ بینک فی شیر اتنے روپے تک نفع لے سکتا ہے مثلاً دس روپے کے شیر پر چالیس روپے۔ اس کے لئے وہ شروع میں کچھ فیس بھی لیتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ بینک کا ایک عارضی اور وقتی کاروبار ہے۔ اور اس معاملہ میں اس کی حیثیت سرمایہ کمپنی کی سی ہے۔

سرمایہ کمپنی کی طرح بینک کے شیرز بھی دو طرح کے ہیں: ایکویٹی شیرز، پَریفرینس شیرز۔ انھیں اردو زبان میں بالترتیب مُساواتی حصص اور ترجیحی حصص سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ایکویٹی شیرز: وہ حصے ہیں جن پر نفع نقصان برابر تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور شیر دار اپنے حصے کے تناسب کے لحاظ سے نفع یا نقصان میں شریک ہوتا ہے اور نفع صرف اسی صورت میں دیا جاتا ہے جب کاروبار نفع میں چل رہا ہو۔

پریفرینس شیرز: یہ وہ حصے ہیں جن پر کبھی خزاں نہیں آتا، ان حصص کے ارکان اپنے جمع کیئے ہوئے روپے پر بہر حال نفع کے حقدار ہوتے ہیں خواہ کاروبار میں نفع ہو یا نقصان۔

بینک پہلے ایکویٹی شیرز (مساواتی حصص) جاری کرتا ہے پھر بعد میں پریفرینس شیرز جاری کرتا ہے اور سال میں ایک دفعہ بیلنس شیٹ جاری کرکے نفع نقصان کا پورا حساب پیش کرتا ہے مگر اس نفع ونقصان کا تعلق صرف شیرداروں سے ہوتا ہے، کھاتہ داروں سے (کھاتہ دار ہونے کی حیثیت سے) اس نفع یا نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، نہ تو انھیں شیر بینک کا کوئی نفع ملے گا، نہ کبھی اس کے نقصان کا بار اُن کے سر آئے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ کھاتہ دار بھی شیر لینا چاہے تو لے سکتا ہے لیکن اس کا حساب کتاب الگ ہوگا اور کھاتہ کا حساب کتاب الگ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ کھاتہ دار بینک میں شیردار نہیں ہوتا، بلکہ بینک کے ایک عارضی کاروبار میں شیردار ہوتا ہے جس کا کھاتہ داروں کی پونجی اور نفع، نقصان سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا لہذا کسی مسلمان کے شیر بینک لینے کی وجہ سے کھاتہ داروں کا نفع حرام نہ ہوگا۔

حکم شرعی پریفرینس شیرز (ترجیحی حصص) حقیقت میں شیرز نہیں بلکہ سودی قرض ہیں اس لئے حرام وگناہ ہیں اور ایکویٹی شیرز گو اپنی ذات کے لحاظ سے پاک ہیں لیکن پریفرینس شیرز کے ذریعہ ان کو بھی آلودہ کرکے ناپاک بنا دیا گیا ہے اس لئے یہ بھی حرام ہیں لہذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ شیرز سے بچیں خواہ شیرز بنیک کے ہوں، یا سرمایہ کمپنی کے۔ اسکی پوری تفصیل راقم الحروف کی کتاب "شیر بازار کے مسائل" میں ہے۔ واضح ہو کہ اس باب میں یہی مذہب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رَحِمَهُمُ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے کہ سود دینا، لینا بالاجماع حرام ہے۔

حکومت کے مالیاتی اور کاروباری اداروں میں جمع شدہ اموال پر زکاۃ کا مسئلہ

بینک اور ڈاکخانے کے "بچت کھاتوں" (سیونگس بینک اکاؤنٹ) اور مختلف قسم کے میعادی جمع کھاتوں (F.D.) اور انشورنس کارپوریشن میں بیمۂ زندگی کے جمع شدہ روپوں اور بینک کے پریفرینس شیرز میں لگائے گئے روپوں اور جی.پی.ایف (G.P.F.) اور جی.آئی.ایس (G.I.S) کی رقموں کی حیثیت فقہی اصطلاح کے مطابق "دَینِ قوی" کی ہے کہ یہ سب کے سب قرض کے مال ہیں تو جو حکم دئے ہوئے مالِ قرض پر زکاۃ کا ہوتا ہے ٹھیک وہی حکم ان روپوں کا بھی ہے کہ یہ روپے اگر نصاب کو پہونچتے ہوں، یا اپنے پاس موجود روپوں، یا چاندی، یا "سونا اور چاندی" کے ساتھ مل کر نصاب کو پہونچتے ہوں، یا مال بقدر نصاب موجود ہے جس کے ساتھ یہ مُلحق ہو جائیں تو مالکِ نصاب ہونے کے وقت سے ان روپوں پر بھی زکاۃ واجب ہوگی۔ آجکل لوگوں میں مال جمع کرنے کی حرص اور زکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی وتساہلی کا رجحان پایا جاتا ہے اس لئے حکم یہ دیا جاتا ہے کہ وہ ان اُموال کی زکاۃ سال بسال ادا کرتے رہیں اگرچہ اس میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے۔ یہی حکم اسی تفصیل کے ساتھ کرنٹ اکاؤنٹ کا بھی ہے۔

ایریر حکومت کے ذمہ اس کے ملازمین کی جو تنخواہ باقی رہ جاتی ہے جسے ایریر کہا جاتا ہے جی.او (G.O.) ہو جانے کے بعد اس کی حیثیت بھی دَین قوی کی ہو جاتی ہے لہذا اس کا حکم بھی وہی ہے جو مالِ قرض کا ہے جیسا کہ گزرا۔

ایکویٹی شیرز بینک وغیرہ کے ایکویٹی شیرز میں جو روپے جمع کئے جاتے ہیں وہ

مالک کی اصل ملک پر باقی رہتے ہیں لہذا شرائطِ زکاۃ کے پائے جانے کی صورت میں ان پر بھی زکاۃ واجب ہوگی۔

مذکورہ قرضوں پر ملنے والے منافع کی زکاۃ | بینک، ڈاکخانے اور بیمہ کارپوریشن کے مذکورہ بالا کھاتوں، اسکیموں اور جی.پی.ایف اور جی.آئی.ایس میں جمع شدہ جن روپوں پر حکومت نفع دیتی ہے اس پر ملک قبضہ کے وقت ثابت ہوتی ہے، لہذا قبضہ کے وقت وہ نفع کسی نصاب کے ساتھ ملحق ہو جائے تو اس کے لحاظ سے، یا یہ کسی صورت میں (مذکورہ صورتوں میں سے) نصاب کو پہونچے تو اس کے لحاظ سے اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خاتمہ

اسلامی بینک

عصر حاضر میں جبکہ بینک کاری کی ترقیات کا سورج نصف النہار پر پہونچ رہا ہے۔ اس کی عظیم افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج کتنے ممالک ہیں جو مال وزر کے بے پناہ ذخائر، یا عظیم الشان بینکوں کے سہارے اکتشافات و ایجادات میں کمال پیدا کر کے سوپر پاور (Super Power) بن چکے ہیں اور دنیا کے امیر ترین ممالک میں انکا شمار ہوتا ہے۔ اگر انکی چلمن میں جھانک کر دیکھا جائے تو وہاں زیادہ تر ہماری ہی دولت بے بہا کی گلکاری نظر آئے گی، اور محسوس ہوگا کہ وہ ہمارے ہی ریال ہیں جن کے بل بوتے پر وہ آج دولت کی دنیا میں سب سے اونچے نظر آرہے ہیں اگر ہم عقل و دانش کے تقاضوں پر کاربند ہو کر اپنی دولتوں کے خزانے اپنے قبضہ میں کرلیں تو اس سے ہمارا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ معاشیات کی دنیا میں ہمارا بھی ایک وقار اور مقام ہوگا، اور اس کے ذریعہ مذہب وملت کے فروغ واستحکام کے قابلِ قدر کارنامے انجام دئے جاسکیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ سودی معاملات کی آلودگی سے ہمارا دامن داغدار نہ ہوگا۔

آج قدم قدم پر بینکوں کی سوسائٹی میں جو ہمیں سود جیسی معصیت کا بادلِ ناخواستہ ”خیر مقدم“ کرنا پڑتا ہے اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ بینکنگ نظام ہمارے ہاتھوں میں نہیں اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اہل اسلام اس طرف بھی توجہ فرمائیں اور جگہ جگہ ایسے مالیاتی ادارے قائم کریں جنکی بنیادیں ”اسلامی اصولوں“ پر استوار

کی گئی ہوں اور وہ "سود" اور اس کے مثل دوسرے ناجائز عقود سے مکمل پاک ہوں۔

مذہب اسلام کے نظریۂ معاشیات کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلام نے بہت سے ایسے عقود کی اجازت دی ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر کامیابی کے ساتھ اسلامی بینک چلائے جا سکتے ہیں۔ ہم یہاں ان عقود کی ایک فہرست قدرے تشریح کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(۱) شِرکت | بینک کسی کے ساتھ یوں کاروبار کرے کہ دونوں تجارت میں برابر برابر یا کم و بیش روپے لگائیں اور جو نفع ہو دونوں اپنے مال کے تناسب سے کسی مقررہ شرح کے مطابق تقسیم کر لیں۔

"مقررہ شرح" کا مطلب "فیصد" ہے۔ یہ فیصد برابر، برابر بھی ہو سکتا ہے اور کم و بیش بھی۔ مثلاً یہ کہ نفع میں دونوں آدھے آدھے (۵۰٪) کے شریک ہوں گے، یا ایک فریق نفع میں مثلاً ۴۰٪ فیصد کا حقدار ہوگا، اور دوسرا فریق جو کام کر رہا ہے ۶۰٪ فیصد پائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ کبھی تجارت میں نقصان ہوا تو دونوں فریق نقصان میں بھی اسی مقررہ شرح کے حساب سے شریک ہوں گے۔

(۲) مُضاربَت | یعنی ایک طرف سے مال، اور دوسری طرف سے کام۔ بینک قابلِ اعتماد، امانتدار تاجروں کو روپے اس معاہدہ کے ساتھ دے کہ تم تجارت کرو، جو کچھ نفع ہوگا اس میں اتنے فیصد تمہارا ہوگا، اور اتنے فیصد میرا۔ شرکت کی طرح یہاں بھی نفع کا فیصد کم و بیش ہو سکتا ہے اور بہرحال شرکت ہو، یا مضاربت، کہیں بھی کسی فریق کے لئے روپوں کی مقدار سے نفع کا استحقاق مقرر کرنا جائز نہیں۔ مثلاً یہ کہ نفع میں سو روپے فلاں فریق کے ہوں گے، اور بقیہ دوسرے فریق کے۔ اس کے لئے شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ نفع کی شرح بہرحال فیصد کے لحاظ سے مقرر ہوگی خواہ یہ فیصد کتنا ہی کم یا زیادہ ہو۔

(۳) بیع عینہ | دَین سے خاطر خواہ نفع کے حصول کا جائز معاملہ۔ اس بیع کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے قرض لینا چاہتا ہے، وہ اسے قرض نہ دے کر یہ کہے کہ تم یہ سامان مجھ سے اُدھار خرید لو، پھر اسے بازار میں نقد بیچ کر اپنا کام چلاؤ۔ وہ راضی ہو تو یہ اس کے ہاتھ اتنے دام کا سامان بیچ دے جتنے سے اس کا کام چل سکے۔ مثلاً قرض مانگنے والے کو سو روپے کی ضرورت ہے اور یہ سو روپے پر دس روپے نفع لینا چاہتا ہے تو یہ سو روپے کا سامان ایک مقررہ میعاد تک کے لئے ایک سو دس روپے میں بیچ دے، پھر یہ خریدار وہ سامان بازار میں سو روپے میں فروخت کر دے۔

اس طرح اسے سو روپے مل گئے، اور صاحبِ مال کو دس روپے کا نفع بھی جو اسے چاہئے تھا مل گیا۔

بہار شریعت میں فتاویٰ قاضی خان، فتح القدیر اور ردالمحتار کے حوالہ سے اس بیع کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا۔

"سود سے بچنے کی ایک صورت بیع عینہ ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیع عینہ مکروہ ہے کیونکہ قرض کی خوبی اور حسنِ سلوک سے محض نفع کی خاطر بچنا چاہتا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھی نیت ہو تو اس میں حرج نہیں، بلکہ بیع کرنے والا مستحق ثواب ہے کیونکہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے۔ مشائخ بلخ نے فرمایا: بیع عینہ ہمارے زمانہ کی اکثر بیعوں سے بہتر ہے۔

بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے مثلاً دس روپے قرض مانگے، اس نے کہا میں قرض نہیں دوں گا، یہ البتہ کر سکتا ہوں کہ یہ چیز تمہارے ہاتھ بارہ روپے کو بیچتا ہوں اگر تم چاہو خرید لو، اسے بازار میں دس

روپے کو بیچ کر دینا، تمہیں دس روپے مل جائیں گے اور کام چل جائے گا۔ اور
اسی صورت سے بیع ہوئی۔ بائع نے زیادہ نفع حاصل کرنے اور سود سے بچنے
کا یہ حیلہ نکالا کہ دس کی چیز بارہ میں بیچ کردی، اس کا کام چل گیا، اور خاطر
خواہ اس کو نفع مل گیا'' (بہار شریعت ص ۱۵۷ حصہ ۱۱)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیع کے
متعلق یہ تاثر پیش کیا، فرماتے ہیں:

''عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ
آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے۔ ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا۔
انتہیٰ۔

بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل
تلاش کرو۔ اور خرید و فروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے اور بیشک نبی صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نا موری ہے نہ ثواب۔ تو اس
میں انتہا درجہ کراہت تنزیہہ ہے۔ ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابۂ کرام نے
اُسے کیا اور تعریف فرمائی۔ اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ
تعالیٰ حاشیۂ دُرر میں لکھتے ہیں: امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع
عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور
حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے
اسے کیا۔ اور اسکی تعریف فرمائی۔ انتہی۔

اور اس کی روشِ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا
کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۷۶ ج ۷ رسالہ کفل الفقیہ الفاہم)

بینک اس حیلۂ شرعیہ پر بآسانی عمل کر سکتا ہے کہ قرضداروں سے جتنے
روپے وہ سود وغیرہ کے نام پر وصول کرتا اتنے روپئے وہ ان کے ہاتھ بازار بھاؤ سے
زیادہ دام پر سامان ادھار بیچ کر وصول کرلے۔ یہ نفع اس کے لئے حلال ہوگا کہ یہ
قرض کی وجہ سے نہیں، بلکہ بیع و تجارت کی وجہ سے حاصل کیا گیا۔

واضح ہو کہ بینک اگر کسی غیر مسلم کو قرض دیتا ہے تو اسے بیع عینہ کی حاجت
نہیں کہ اس سے نفع کے نام پر جتنی رقم چاہے لے سکتا ہے کیوں کہ اس کے مال میں
سود کا تحقق نہیں ہوتا۔ مگر اس طرح کا معاملہ صرف غیر مسلم یا ہندوستان جیسی سلطنتوں
میں ہوسکتا ہے۔

(۴) چاہیں تو کچھ رقم بینک کے فکسڈ ڈپوزٹ میں جمع کردیں جو مدت مقررہ کے بعد
دوگنی ہوکر وصول ہوگی۔ یہاں کی حکومت کے بینکوں سے اس طرح نفع کا حصول جائز
ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۵) بیع مُوَجّل یعنی سامان نقد اور دام اُدھار۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کوئی ایسا
سامان لینا چاہتا ہے جو عام طور سے وہاں کے ماحول میں زیادہ کار آمد، اور نفع بخش ہو
جیسے لوم، ایکسرے مشین، الکٹرو اسٹیٹ، وغیرہ۔ تو وہ سامان اسے خرید کر لاگت سے
زیادہ دام پر ایک معینہ مدت کے لئے یک مُشت، یا قسط وار اُدھار دیدیا جائے۔

(۶) بیع مُرابَحہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خریدار کو یہ بتایا جائے کہ یہ مشین، یا یہ
سامان مجھے اتنے میں پڑا ہے مثلاً پانچ ہزار روپے میں۔ اور اسے پانچ سو روپے نفع
کے ساتھ تمہارے ہاتھ پانچ ہزار پانچ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں۔ خواہ نقد، یا
اُدھار، یکمشت، یا قسط وار، اُدھار کی صورت میں دام کی ادائیگی کی میعاد بہرحال
متعین ہونی چاہئے۔

(۷) شفاخانہ کا قیام ان تجارتوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے تو اس سے اور کچھ قوم کے چندے سے اچھا شفاخانہ قائم کرلیا جائے جس میں اچھے ڈاکٹر، ضروری آلہ جات، اور طبی معائنوں کی جدید سہولیات فراہم ہوں۔

اس سے قوم کی بڑی خدمت بھی ہوگی جو اخلاص نیت کی صورت میں بڑے اجر وثواب کی باعث ہوگی اور ساتھ ہی بینک کے لئے یہ بڑا نفع بخش بھی ہوگا۔

اس طرح سے مذہب اسلام میں اور بھی دوسرے ذرائع ہیں جن پر کاربند ہوکر غیر سودی بینک کاری کو فروغ دیا جا سکتا ہے، بلکہ دنیا کے سامنے اسلامی نظامِ معاش کا ایک صاف ستھرا، مثالی نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

اخیر میں ایک ضروری گزارش یہ بھی ہے کہ بینک میں ایک شعبہ قرضِ حسن کا بھی ضرور رکھا جائے جس کے ذریعہ غریب اور حاجت مند مسلمانوں کو دینی اور دنیوی امور کے لئے نقد کی شکل میں، یا حسبِ حاجت متاع کی شکل میں روپے یا سامان فراہم کئے جائیں تاکہ یہ بینک خالص طلبِ دنیا کے لئے مخصوص نہ ہو جائے بلکہ اس میں کچھ حصہ دین کا بھی شامل رہے۔

خدائے پاک سب مسلمانوں کو اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

اپنے ہاتھوں سے بنا تو بھی کوئی قصر عظیم
چشم حیرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ